

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شہزادہ تعمیر حیات

ISSN 2582-4619

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۲۳ء رجب المجب ایضاً شمارہ نمبر ۶

اس شمارے میں

۳	شعر و ادب اثبالت کے حرف اذال سے.....	رئیس اشکری ندوی
۵	اداریہ ندوۃ العلماء کا مسئلک	حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
۶	نشانِ راہ مدارس اسلامیہ اور جدید کاری کا تصور	حضرت مولانا سید محمد راجح حسینی ندوی
۸	ذبان و ادب ناقابل فرماؤں و اقوای و شخصیات	مولانا عبدالmajid ریاضی ندوی
۹	فکر و نظر علم و تعیم سے مسلمانوں کا تعلق	مولانا آکٹر سعید الرحمن عظیمی ندوی
۱۲	دوح پرورد ظاہرداری خدا کے یہاں نہیں چلتی	مولانا شمس الحق ندوی
۱۳	تصویر وطن قصویر وطن	مولانا بلال عبدالحی حسینی ندوی
۱۵	اصلاح و معاشرہ جنپا بیت کے نقصانات	مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی
۱۷	بحوث و نظر مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء	مولانا عقیق احمد بتلوی
۲۲	ادراش و تذکیر دوسروں کی رائے کا گھنی احترام ہو	مولانا سراج الدین ندوی
۲۶	اسلام اور علم تعییم و تحریم ہی اسلامی تہذیب کی شاخت	محمد عثمان خاں ندوی
۲۹	محاسن اسلام اسلام میں انسانی خون کا احترام	عبدیار حسن ندوی
۳۲	رسید کتب تعارف و تبرہ	محمد اصطفاء الحسن ندوی
۳۳	فقہ و فتاویٰ سوال و جواب	مفہی محمد ظفر عالم ندوی

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد راجح حسینی ندوی

(نظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

▪ مدیر مسئول ▪ نائب مدیر ▪
▪ محمد سعید الصدوق دریابادی ندوی ▪
▪ شمس الحق ندوی ▪

▪ معاون مدیر ▪
▪ محمد اصطفاء الحسن کاظمی ندوی ▪
▪ محمد جبار ایضاً اختیاری ندوی ▪

▪ مجلس مشاورت ▪
▪ مولانا عبدالعزیز بخششکی ندوی ▪
▪ مولانا محمد الدنیازی پوری ندوی ▪

قارئین محترم! تعمیر حیات کا سالانہ زر تعاون ذیل میں دیے گئے کاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT

A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)

IFSC Code : SBIN000125 -- Swift Code : SBINNB157

State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براء کرم قمی جمع بوجانے کے بعد فقر کے فون نمبر ۰۱۱۱۱۱۱۱۱۱۱۱۱۱ پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیجیں۔

▪ تریکل زر اور خط و کتابت کا پتہ ▪

TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406
website : <http://tameerehayat.com> - email : tameer1963@gmail.com

مخصوص نگار کی راستے سے ادارہ کا متفرق ہوتا صدوری نہیں ہے۔

سالانہ زر تعاون - 400/- فی ٹھارڈ - 20/- اشیائی، یورپی، افریقی اور کمیکس کے لئے - 75\$

ڈاٹ شہزادہ حیات کے نام سے ہائی اور مختصر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پروردگاریں۔ چک سے گنجائے والی قرض
All CBS Payable Multicity Cheques وارثہ ہماں نیکی، پورت گھر = 30/- جو کرچک دیں۔ براء کرم اس کا خالی رکھ۔

اپ کی خریداری نمبر کے نیچے کمرخ کی ہے۔ تھیں کہ آپ کا ارتقان ختم ہو چکا ہے، لہذا جلدی زر تعاون ارسال کریں۔
اور منی آنڑا کوپن پہنچا خریداری نمبر روکھیں، ہوبائل یا فون نمبر اور پس کے ساتھ پن کو روکھیں۔ (نیت حیات)

پرنٹر پبلیشور محمد طااطھر نے آزاد پرنگ پر لیں، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرائے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات نیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

اُثر بلالؑ کے حرفِ اذال سے ملتا ہے

رئیس الشاکری ندوی

شرف جو نعتِ شہ انس وجہ سے ملتا ہے خراج آج بھی دونوں جہاں سے ملتا ہے
 مہ و نجوم اُجالا تو بانٹتے ہیں مگر خبر بھی ہے کہ اُجالا کہاں سے ملتا ہے
 یہ سرز مین کہ رضوان کی جنتیں بھی نثار یہاں تو صحراء بھی باغِ جناب سے ملتا ہے
 سکون روح کے ساماں وہیں سے ہوتے ہیں دلوں کو چین اُسی آستان سے ملتا ہے
 خرام ناز کے روشن نشان یاد آئے عجیب حسن، صف کہکشاں سے ملتا ہے
 عجب نہیں کہ ٹھہر جائے وقت کی رفتار مکاں کا حسنِ یقین لا مکاں سے ملتا ہے
 صداقتوں سے فروزان، رفاقتون کا خلوص مزاج خواجہ کون و مکاں سے ملتا ہے
 وہی شفیق تبسم، وہی کریم آنکھیں ! جو میرا جرم بھی رحمت نشان سے ملتا ہے
 سحر نصیب پرندے جو چچھاڑ ہے ہیں اُثر بلالؑ کے حرفِ اذال سے ملتا ہے

رئیس حضرت حسانؓ کا میں پیرو ہوں
 ثبوت میرے زبان و بیان سے ملتا ہے



ندوۃ العلماء کا مسلک

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ

دین و عقائد کے معاملہ میں ندوۃ العلماء کے مسلک کی بنیاد دین خالص پر ہے جو ہر قسم کی آمیزش و آلاش سے پاک ہے، تاویل اور تحریف سے بلند، ملاوٹ اور فریب کی دسترس سے دور اور ہر اعتبار سے مکمل اور محفوظ ہے۔

دین کے فہم اور تشریح اور تعمیر میں اس کی بنیاد اسلام کی اولین اور صاف و شفاف سرچشمیوں سے استفادہ اور اس کی اصل کی طرف رجوع پر ہے۔ اعمال و اخلاق کے شعبہ میں دین کے جو ہر مغز کو اختیار کرنے، اس پر مضبوطی سے قائم رہنے، احکام شرعیہ پر عمل، حقیقت دین اور روح دین سے زیادہ قربت تقویٰ اور صلاح باطن پر ہے۔

تصور تاریخ میں اس کی بنیاد اس پر ہے کہ اسلام کے ظہور اور عروج کا دور اول سب سے بہتر اور قابل احترام دور، اور وہ نسل جس نے آخوش نبوت اور درسگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں تربیت پائی اور قرآن و ایمان کے مدرسے سے تیار ہو کر نکلی اس سے زیادہ مثالی اور قابل تقلید نسل ہے اور ہماری سعادت و نجات اور فلاح و کامرانی اس بات پر محصر ہے کہ ہم زیادہ اس سے استفادہ کریں اور اس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

نظریہ علم اور فلسفہ تعلیم میں اس کی اساس اس پر ہے کہ علم بذات خود ایک اکائی ہے جو قدیم و جدید اور مشرق و مغرب کے خانوں میں تقسیم نہیں کی جاسکتی اگر اس کی کوئی تقسیم ممکن ہے تو وہ تقسیم صحیح اور غلط، مفید اور مضر اور ذرا رائج اور مقاصد کے اعتبار سے ہوگی۔

استفادہ اور افادہ اور ترک و قبول کے شعبہ میں اس کا عمل اس حکیمانہ نبوی تعلیم پر ہے کہ ”الحكمة ضالة المؤمن حيث وجدها فهو أحق بها“ (حکمت مومن کا گشده مال ہے جہاں بھی وہ اس کا مستحق ہے)، نیز قدیم حکیمانہ اسلوب：“خذ ما صفا و دع ما كدر“ یعنی جو صاف و نظیف ہو اس کو لے لواور جو آلودہ اور کثیف ہو اس کو چھوڑ دو۔

اسلام کے دفاع اور عصر حاضر کی لادینی قوتوں کے مقابلہ میں اس کی اساس اس ارشادِ بانی پر ہے: ”وَأَعِدُّوا لَهُم مَا أُسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ“ [الأنفال: ۶۰] یعنی ان کے مقابلہ کے لیے جتنی قوت تم سے ممکن ہو سکے تیاری کرو۔

دعوت الی اللہ، اسلام کے محاسن و فضائل کی تشریح اور ذہن و عقل کو اس کی حقانیت و صداقت پر مطمئن کرنے میں اس کا عمل اس حکیمانہ وصیت پر ہے کہ: ”كَلِمُوا النَّاسَ عَلَى قَدْرِ عِقُولِهِمْ أَتَرِيدُونَ أَنْ يَكْذِبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ“ یعنی لوگوں سے ان کی عقولوں کا خیال رکھتے ہوئے گفتگو کرو کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیا جائے۔

عقائد و اصول میں وہ جمہور اہل سنت کے مسلک کی پابندی اور سلف کے آراء و تحقیقات کے دائرہ میں محروم رہنا ضروری سمجھتا ہے فروعی اور فتحی مسائل کے بارے میں اس کا مسلک و اصول یہ ہے کہ حتی الاماکن اختلافی مسائل کو چھپڑنے اور ہر ایسے طرزِ عمل سے احتراز کیا جائے جس سے باہمی منافرت ہوئے اور امت کا شیرازہ منتشر ہو، سلف صالحین سے حسن ظن رکھا جائے اور ان کے لیے عذر تلاش کیا جائے، اسلام کی مصلحت اجتماعی کو ہر مصلحت پر ترجیح دی جائے۔

محضیریہ کوہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۷۴۰ھ) کے علمی و فکری اور کلامی و فقہی مدرسہ فکر سے زیادہ قریب اور ہم آہنگ ہے، اس لحاظ سے ندوۃ العلماء ایک محدود تعلیمی مرکز سے زیادہ ایک جامع اور کثیر المقاصد بستان فکر اور مكتب خیال ہے۔

نشان راہ

مدارس اسلامیہ اور حبیب کاری کا تصور

حضرت مولانا سید محمد رابع حسینی ندوی

معمولی دینی باتوں سے بھی واقفیت نہ رکھ سکتے تھے، سوائے ان بعض محدود علاقوں کے جہاں خفیہ دینی تعلیم دی جاتی رہی، ان کے علاوہ بقیہ عام علاقوں میں دین سے بالکل ناواقفیت ہو گئی تھی، اگرچہ وہ اس کے باوجود اپنے کو مسلمان کہتے اور لکھتے رہے۔ اسلام سے ان کا رشتہ صرف یہی رہ گیا تھا کہ وہ اپنے کو مسلمان اور مسلمان نسل کا جانتے تھے، ان کے بیہاں اسلام کی باتیں بتانے والے نہیں رہے تھے، اب وہاں آزادی ملنے پر فرق شروع ہوا ہے۔

آدمی کی فطرت ہے کہ جو سنتا ہے اور دیکھتا ہے، اس کو اختیار کرتا ہے اور جس بات سے ناواقف ہے اس سے وہ محروم رہتا ہے، ضرورت ہے کہ ان مدارس کی اہمیت کو سمجھا جائے اور ان کو بڑھایا جائے، اور پھیلایا جائے، کم از کم اس کے ابتدائی مرحلہ کو جتنا عام کیا جاسکے عام کیا جائے اور جہاں جہاں دین سے ناواقفیت کے حالات ہیں وہاں کی فکر اور زیادہ کی جائے، نہ کہ ان کو بے ضرورت بتا کر ان کے معاملہ میں مخالفانہ روشن اختیار کی جائے۔ ہماری مذہبی علوم کی یہ درس گاہیں ہماری ملت کے فرزندوں کو اسلام کی ان تعلیمات سے بہرہ ورکرنی ہیں جن سے اس امت مسلمہ کی مسلمہ ہونے کی صفت برقرار رہے، اس لیے کہ اسلامی تعلیمات کے لحاظ سے اس دنیا کے ساتھ تو حبیب رسالت اور آخرت کا عقیدہ قطعی اور لازمی ہے، اس پر یقین اور اس کے مطابق عمل کے بغیر دین اسلام کی بقا نہیں۔

جدید تعلیم کے لادینی سانچے سے گزرے ہوئے بعض داش و رحمات ہمارے ان دینی مدارس کو ملت کے لیے غیر ضروری سمجھتے ہیں، ان مدارس کے لفظ سے محروم ہو گئے تھے، حتیٰ کہ اسلام میں عبادت کے لفظ کا جو مطلب ہے اس تک سے ناواقف ہو گئے تھے، اسلامی عقیدہ سے اور اس کے احکام سے واقف ہونا تو بہت دور کی بات ہے، وہ

اس وقت اسلام خالف طاقتوں نے اسلام کو کمزور اور بے اثر بنانے کے لیے اسلام کی تقویت کے دو پہلوؤں کو اپنی نقصان رسال کوششوں کا زیادہ نشانہ بنایا ہے۔ ایک اسلامی شریعت کے وہ ضوابط جو اسلامی معاشرت کو صالح اور پاک باز رکھنے سے متعلق ہیں، جن میں مرد و عورت دونوں کے معاملات آتے ہیں اور انسانی معاشرت میں درستگی قائم رکھنے کے لیے اللہ کی طرف سے جو ضوابط مقرر کیے گئے ہیں اور جو اجتماعی معاملات و تعلقات نیز مالی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں اور فقہی قوانین کے تحت آتے ہیں، ان پر اعتراضات کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

دوسرے پہلو کلام الہی قرآن مجید سے مسلمانوں کا جو تعلق ہے، جس کے ذریعہ مسلمان کے دل کو روحاں نیت اور اپنے پروردگار کے ساتھ بندگی کے تعلق ساتھیں میں میں نے خود دیکھا، جہاں کے سابقہ عہد کے علماء کی تعداد اور کام ایسا بڑا سر رہ چکا ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں ان کی تصنیف کردہ کتابیں اس وقت بھی پڑھائی جا رہی ہیں اور ان سے اسلامی تعلیمات اور احکام کے تحفظ کا کام لیا جا رہا ہے، روایتی عہد میں مسلمانوں کے دینی مدرسیں کے ختم کر دینے کے بعد صرف دشیں گذرنے پر یہ حال ہو گیا تھا کہ بہت سے لوگ نماز روزہ تک کا مطلب سمجھنے سے محروم ہو گئے تھے، حتیٰ کہ اسلام میں عبادت کے لفظ کا جو مطلب ہے اس تک سے ناواقف ہو گئے تھے، اسلامی عقیدہ سے اور اس کے احکام سے واقف ہونا تو بہت دور کی بات ہے، وہ

ترکستان میں میں نے خود دیکھا، جہاں کے ساتھ بندھا رہتا ہے، اتنا ہی اس میں کو مدد ملتی ہے، بلکہ وہ ایک ایسا منع و مرکز ہے کہ اس سے مسلمان جتنا بندھا رہتا ہے، اتنا ہی اس میں جذبہ دینی اور اخلاقی درستگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اس پر حملہ کیے جا رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علوم دینیہ کی خدمت کرنے والے لوگ ان دونوں پہلوؤں کے سلسلہ میں ضروری صلاحیت پیدا کریں اور اس طرف سے آنے والے خطرات کے مقابلہ کے لیے اپنے طالبان علم کو تیار کریں۔

مغرب کا استعماری ذہن اسلام کو اپنا اصل حریف سمجھتا تھا اور اب بھی یہی سمجھ رہا ہے، بلکہ مغربی ملکوں کے اصحاب اقتدار نے یہ تک اظہار

افراد پیدا کرتے ہیں جو سوائے نماز روزہ کے زندگی کی دوسری ضروریات کو پورا کر سکتے کی صلاحیت نہیں رکھتے، یہ اپنے بیوی بچوں کی ضروریات بھی پوری نہیں کر سکتے اور نہ حالات زمانہ کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لوگوں کا یہ اعتراض ان کی بالکل بے ثبیری کی وجہ سے ہے، انہوں نے ان مدارس سے حاصل ہونے والی صلاحیتوں کو جانتے کی کوشش نہیں کی، یہ مدارس گرچہ خالص دینی علوم کے لیے قائم کیے جاتے ہیں، لیکن یہ ابتدائی مرحلہ کی تعلیم میں زندگی کے ضروری پہلوؤں کو بھی تعلیم میں جگہ دیتے ہیں اور اپر کی تعلیم میں بھی زندگی کے ضروری تقاضوں سے حسب استطاعت واقف کر دیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

سے مذہب اسلام کی حفاظت انجام پا رہی ہے، ان کو مسلمانوں کے بدخواہوں کی طرف سے بار بار چیلنج کیا جا رہا ہے، اگر ہم اس چیلنج کے خطرہ کو نہیں سمجھ سکیں گے تو ہم بہ حیثیت مسلمان کے ختم ہو جائیں گے اور مغربی قوموں کی صفوں میں ایک ذیلی قوم بن کر رہ جائیں گے، اس لیے ضرورت ہے کہ ہماری ان درس گاہوں کو جو مسلمانوں کی زندگیوں میں دین سے واقفیت پیدا کرنے اور اس سے اپنی وابستگی کو قائم رکھنے کے لیے پاور ہاؤس کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں، اہمیت کی نظر سے دیکھا جائے۔ ہمارے ان دینی مدارس پر ایک اعتراض یا کیا جاتا ہے کہ ان میں تعلیم حاصل کرنے والے زندگی کے دیگر تقاضوں سے صرف نظر کرتے ہیں اور ایسے

اور یہ باقی بلا خاص نظم و انتظام کے خود بہ خود معلوم ہو سکتی ہیں، ان کا یہ خیال نہایت سطحی خیال ہے، مسلمانوں کی زندگی میں دین اپنی پوری اہمیت رکھتا ہے اور زندگی میں پوری وسعت بھی رکھتا ہے، اس بات کو وہ حضرات نہیں سمجھتے جن کے ذہن کی تشكیل خالص مغربی نظام تعلیم میں ہوئی ہے، وہ مغرب کے لادینی نقطہ نظر سے ہی سوچتے ہیں اور رکھتے ہیں کہ دین کی تعلیم کے لیے اتنے باقاعدہ انتظام کی کوئی ضرورت نہیں، حالانکہ اگر وہ دین کو زندگی میں وضع مقام نہ دیتے ہوئے اس کو مسلمان کی زندگی کا صرف ایک پہلو ہی مان لیں تو بھی یہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح انسانی زندگی کو میڈیکل کالجوں کی ضرورت ہے تاکہ لوگوں کی زندگی کی صحت کے تحفظ کی اہم ضرورت پوری ہوتی رہے اور جس طرح کالجوں کی ضرورت ہے، جن سے زندگی کے ان پہلوؤں کی ضرورت پوری کرنے والے اشخاص پیدا ہوں اور ان کی ضرورت پوری ہو سکے اور جس طرح لا کالجوں کی ضرورت ہے کہ حکومت وقت کے قوانین سے واقفیت رکھنے والے ماہرین پیدا ہوں اور قانونی تحفظ کا انتظام ہو، اسی طرح مذہب کو مسلمانوں کی زندگی کا اگر ایک پہلو ہی تسلیم کر لیا جائے تو بھی ان کو ہمارے دینی مدارس کی اہمیت کو ماننا پڑے گا کہ اس ضرورت کے انتظام کے لیے ان مدارس کی ضرورت ہے، حالانکہ اسلام میں مذہب زندگی کا صرف ایک پہلو ہی نہیں، بلکہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر احکام و تعلیمات رکھتا ہے، جن کے جانے اور ان پر عمل کیے بغیر ہم زندگی کو اپنے پرورکار کے حکم کے مطابق نہیں بنا سکتے۔

ہماری مذہبی تعلیم کے پہاڑے جن کو ممتاز علمائے دین اور دین و ملت کی صحیح فکر رکھنے والے مسلم دانشوروں نے قائم کیا اور چلا رہے ہیں اور ان

مولانا محمد عظیم خاں ندوی جوارِ رحمت میں

سینٹر استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جناب مولانا محمد عظیم خاں ندوی کا طویل علاالت کے بعد ۱۹ ارجمندی الثانی ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۲۰۲۳ء جمعہ کو انتقال ہو گیا، انا للہ و انا الیه راجعون۔

مولانا مرحوم نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ہی عالمیت و فضیلت کی، مدرسہ فلاح امسلمین تین دوسرے برابری، جامعہ اسلامیہ بھٹکل اور جامعۃ الہدایہ بچ پوری میں تدریسی خدمت انجام دی، مدرسہ فلاح امسلمین سے ۱۳۱۰ھ مطابق کیم مئی ۱۹۹۰ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ منتقل ہوئے، یہاں سے چند ماہ کے لیے شاخ دارالعلوم میہد نا ابو بکر صدقیق مہمت متوجے، پھر وہاں سے مستقل دارالعلوم آگئے، اور وفاた سے ڈیڑھ سال فبل تک تدریسی و تربیتی خدمات انجام دیتے رہے۔

مولانا مرحوم کی تاریخ پیدائش کیم جولائی ۱۹۵۵ء ہے، اور انہوں نے دارالعلوم میں ۳۳ رسال ۱۰ ارماہ تک تدریسی و تربیتی خدمت انجام دی، وہ ایک کامیاب اور مختین استاذ تھے، جو بھی مضمون پڑھانے کو ملا، پوری امانت کے ساتھ اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کی، اور متعدد دارالاکاموں میں گمراہ بھی رہے، وہاں بھی طلبہ کی تربیت پر پوری توجہ دیتے رہے۔ مولانا مرحوم کے ہزاروں شاگرد ملک و یروان کے مختلف گوشوں میں دینی و دعویٰ، تدریسی و تعلیمی اور سماجی و ملی خدمات انجام دے رہے ہیں جو ان کے لیے ذخیرہ آخرت ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کے سینات سے درگزر کرے، حسنات قبول فرمائے، درجات بلند کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔

ناقابل فراموش واقعات شخصیات

مولانا عبدالمadjد ریاضادی

زیادہ عرصہ تک نہ رہی اور دوسرے بھی ان کی امارت میں حصہ لگاتے گئے۔ ان میں سے ایک تو وہی میشین اور مقطوع نذر یا احمد تھے۔ جن کا نام ابھی دو منٹ پہلے سن چکے ہیں، دوسرے راشد الحیری نکل۔ ان کا نمبر بھی کچھ کم نہ رہا۔ در درقت انگریزی کے گویا بادشاہ تھے۔ مصور غم جس کسی نے کہا وہ واقعی مردم شناس تھا۔ تیسرا ایک اور ایلی خصیت خواجہ حسن نظامی کی خودار ہوئی باغ و بہار نامی ایک چھپی چھپائی کتاب کے نام سے تو آپ بھی واقف ہوں گے۔ یہ خواجہ صاحب اپنے قلمی چوچلوں کے لحاظ سے خود ایک جسم باغ و بہار بلکہ سدا بہار نکلے۔ یہ سارے نام دلی والوں کے ہوئے لیکن اپنے ذہن نے نقش ان سے بھی گھرا لکھنؤ اور جوار لکھنؤ والوں کا قبول کیا، فساتہ آزاد والے ترن ناتھ سرشار، اودھ پنجوالے سجاد حسین کا کوروی، ریاض الاخبار والے ریاض خیر آبادی اور شعر و فراحت کے تاجدار حضرت اکبر اللہ آبادی زبان کے یہ سب استاد تھے اور ان ناموروں کے علاوہ ایک صاحب گمنام سے اور بھی تھے مولوی سید علی اصغر کینگ کالج لکھنؤ۔ اور نئیل ڈپارٹمنٹ کے استاد۔ یہ تھے عربی کے معلم لیکن درجے میں تذکرے اکثر اردو شعر و ادب کے چھڑ جاتے اور یہ لکھنؤی زبان کے نکتے چنکلے خوب خوب بیان کر جاتے۔ لیکن غالب کا نام مولانا کے لئے ایک چڑھ کی حیثیت غالب کا نام مولانا کے لئے ایک چڑھ کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہم شاگردوں کو یہ سخا چھا بات تھا آگیا تھا۔ جس روز بھی سبق کا ناغ منظور ہوا بس نام غالب کا لے دیا۔ اب مولوی صاحب تھے کہ پڑھائی کلھائی چھوڑ غالب کے پیچھے پڑ گئے۔
لبقیہ صفحہ ۱۱ پر

کالج کی ہوا لگی تو دیکھا کہ قضاۓ ادب میں ایک نیا جھنڈا ابوالکلام آزاد کا لہرانا شروع ہوا ہے۔ اس تنومند کی پہلوانی اور شہزادی دیکھ زبان پر واہ تو بے اختیار آئی لیکن دل و دماغ سے مشورہ کیا تو ہمت ان کی راہ پر قدم اٹھانے کی نہ پائی۔ ادھر انگریزی تعلیم نے دماغ میں طرح طرح کی آزادیوں اور آزاد خیالوں کی ہوا بھری۔ ہل اور ہلکے وقت کے بازار حقیقت میں چلتے ہوئے سکے تھے۔ انہیں اپنانے اور ان کا چربہ اتارنے میں ہاتھ نے خوب خوب اپنی صفائی دکھائی، افلاطون، ارسطو، ولیم جیمس اور ہنری، برکسان کی جیسوں پر بھی ہاتھ ڈالنے کی نوبت کہیں کہیں آگئی۔

دولگ الگ دھارے ایک دوسرے کے متوازی بہرہے تھے ایک دھارا ذرا اوپنے علمی قسم کے بخشوں، موضوعوں کا، اس میں تو دیل را بشیلی نعمانی ہی رہے۔ کہنا چاہئے شروع سے آخر تک کیا الاندوہ کا اڈیٹر اور کیا الکلام کے مصنف کی حیثیت سے۔ اور دوسرا دھارا ہلکے ہلکے افسانہ و شعر و شاعری کے ادبیات کا۔ اس دوسرے قافلے کے میر کارروائی شر صاحب ایک عرصہ دراز تک رہے، محہ اپنے رومانی ماہنامہ و مگذار فیض چوڑا بہت حاصل ہوا تو وہ نذر یا احمد ہی تھے۔ میتھجہ یہ نکلا کہ بشیلی کے بعد اگر کسی کے دربار سے کچھ فیض چوڑا بہت حاصل ہوا تو وہ نذر یا احمد ہی تھے۔ قرآن مجید کے مترجم اور بیتلہ اور نصوح، عظمت حسن انجلینا اور فلورا فلورٹا کے؛ لیکن اس مملکت کی میری و سرداری تہبا شر صاحب کے حصے میں

فکر و نظر

علم و فتنہ مسلمانوں کا تعلق

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی

دوسری سورت کا آغاز ہوتا ہے، کتابی آلہ قلم کے ذریعہ، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے پڑھنے اور لکھنے کو علم کے باب میں ایک ساتھ بحث کر دیا۔

یہ آیت کریمہ مسلمانوں کے علم کے ساتھ مضبوط رشتہ اور ابطة کو ظاہر کر رہی ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے دلوں کو قرآنی آیات کی تلاوت، باطنی ترزیکیہ اور علم کے نور سے روشن کیا ہے، ان پر حکمت کے دروازے کھول دیئے، ان کو علم و معرفت کی طرف بلایا، کتاب و حکمت کی تعلیم سے آراستہ کیا، اور جو علم کے زیور سے آراستہ نہ ہواں کے لیے تاب و حکمت کی تعلیم مکمل نہیں ہو سکتی، اور کیا یہ کسی انسان کے لیے ممکن ہے کہ وہ حکمت، معانی کتاب کے حقائق، تلاوت کے روزو اور ترزیکیہ کے مفہوم صحیح معنی میں سمجھ سکے؟ جب کہ وہ علم و معرفت سے بالکل بھی واقف نہ ہو اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو طلب علم کی تاکید فرمائی اور علم دین کی طلب کو دیگر فرائض و واجبات کی طرح فرض قرار دیا، اور ہر طرح کی مشکلات اور تکالیف کو برداشت کر کے، اس کے سیکھنے کا حکم فرمایا، اور علماء نے اس طرف بھی اشارہ کیا کہ اگر علم چین جیسے دور دار ملک میں بھی پایا جائے تو اسے حاصل کیا جائے کہ علم سے بڑھ کر کوئی چیز قابل تکمیل و عزت نہیں۔

طلب علم کی اہمیت

طلب علم کی فضیلت و اہمیت پر دیویوں نبوی شہادتیں موجود ہیں، جو علم کے حصول پر ابھارتی ہیں، اور علم کے ثواب کو ظاہر کر کے طالب علم کی اہمیت اور مقام و مرتبہ کی طرف واضح اشارہ بھی کرتی ہیں، یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ مسلمانوں کا تعلق علم کے ساتھ کتنا گہرا اور مضبوط

بنایا، پریشان حال اور گمراہوں کا حقیقی نجات دہنہ اور مرشد بنایا کر بھیجا، جس کی طرف قرآن کریم نے اس طرح اشارہ کیا: ”هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأَمَمِ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَنْذُرُونَ عَلَيْهِمْ أَيْشَهُ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَبَ وَالْحِكْمَةَ، وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔“ [سورہ جمعہ: ۲]

اور ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا: ”سَكَمَّا أَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَنْذُرُونَ عَلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمُ مَا مَأْتَمْ تَكُونُونَ تَعْلَمُونَ۔“ [سورہ بقرہ: ۱۵]

علم کی ایک نئی قسم

اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق ”اقراؤ“ کے بعد دوسری سورت جو نازل ہوئی وہ سورہ ”نَ وَالْقَلْمَ وَمَا يَسْطُرُونَ“ ہے [الاتفاق فی علوم القرآن: ج ۲/ ص ۳۲۲]۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ علم کی نئی قسم قلم ہے، گرچہ یہ اشارہ سورہ اقراؤ کی ان آیات کے ضمن میں بھی موجود ہے: ”إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْأَنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، إِقْرَأْ وَرَبِّكَ الْأَكْرَمَ، الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلْمَ، عَلَّمَ الْأَنْسَانَ مَالِمَ يَعْلَمُ“ [العلق: ۱-۵] (یاد رہے کہ قلم کے ذریعہ تعلیم لکھنے کے واسطے سے ہی ہوتی، البتہ پہلی سورت کا آغاز ہوتا ہے پڑھنے کے ذریعہ اور

مسلمانوں کا علم سے تعلق علم کا مسلمانوں کی زندگی سے گہر اعلقہ وربط ہے، اسلام نے علم کی حقیقت و اہمیت کا خوب اہتمام کیا ہے، علم ہی وہ مضبوط بنیاد ہے جس پر زندگی کا خوبصورت تاج محل قائم ہے، یہی وہ بنیادی پھر ہے جس پر اسلامی معاشرہ کی بنیاد قائم ہے، لفظ ”اقراؤ“ اسلام کا سب سے پہلا کلمہ ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ نازل ہوا، باوجود یہ کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اُمی محسن تھے، مل کہ آپ تو ای قوم کے ای فرد تھے، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے علم کی امانت کا بوجہ نہ صرف اٹھایا، مل کہ قیامت تک رہنے والی امت کے افراد تک پہنچا بھی دیا، انھیں علم و معرفت کی زینت سے مزین کیا،

کتاب و حکمت کی تعلیم سے اُن کے معیار کو بلند کیا۔ علم ایک عظیم نبی مجھہ ہے اور اس بات کی روشن دلیل بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی جانب سے مبجوث ہیں۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہ ہوتے تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ ایک اُسی فرد پوری امت کو علم کے زیر سے آراستہ کرتا، آپ اُمی محسن تھے، کسی استاذ و معلم کے سامنے تلمذ اختیار نہیں کیا تھا، اور نہ آپ نے خاندانی طور پر علمی میراث پائی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوری کائنات کا معلم بنایا کہ بھیجا تھا: ”بَعْثُتْ مُعَلِّمًا“ پوری امت کا مرتبی

وفون پر حاوی وحیط ہے، اب انسان پر محصر ہے کہ وہ کون سا علم حاصل کرنا چاہتا ہے، بعض افراد صرف دینی علوم حاصل کرتے ہیں عصری علوم کی طرف بالکل بھی توجہ نہیں دیتے، یا یہ کہ انہیں عصری علوم کے حاصل کرنے کا موقع نہیں مل پاتا، یا یہ کہ وہ عصری علوم صرف دنیاوی مقاصد ہی کے تحت حاصل کرنا چاہتے ہیں، ایسے افراد اپنی زندگی میں کوئی قابل تحسین کام انجام نہیں دے پاتے، یقیناً ایسے افراد قابل تکریم و تقدير نہیں ہو سکتے، لیکن وہ فرد جس نے مادی اشیاء اور کائناتی عجائبات کا علم اعمال صالح و معاشرہ کی تشكیل و تعمیر کے لیے حاصل کیا ہو، لوگوں میں نیک صفات کے فروغ کے لیے کام کرتا رہا ہو تو یقیناً ایسا فرد اللہ تعالیٰ کی رضا و خوش نودی کا مستحق قرار پائے گا۔

عالیٰ عربی کا علم کی طرف غیر معمولی د جحان

حدیث پاک میں طلب علم پر غیر معمولی تاکید فرمائی گئی ہے، اور اس کی طرف امت اسلامیہ عربیہ نے بہت توجہ کی، اہل عرب اس حدیث کی تاثیر سے حد رجہ متاثر ہیں، مشہور مغربی فلسفی ”کوشاںف لوبون“ اپنی مشہور کتاب ”حضارۃ العرب“ میں لکھتا ہے کہ عرب نے تعلیم و تعلم کے میدان میں جو پیش رفت کی ہے یقیناً وہ حریت ناک و قابل تعجب ہے، اس معاملہ میں عربوں کا دیگر اقوام سے موازنہ کر بھی لیا جائے تو عرب فائق ہی رہیں گے، اس کی خاص وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عرب جب بھی کسی شہر پر تسلط رکھتے تو سب سے پہلے وہ کوئی مرکزی تغییبی ادارہ قائم کرتے، بل کہ اسی کو اولیت دیتے اور ہر شہر میں مرکزی مدارس و جامعات کا قیام لازم ہوتا،

گا۔ راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کے سینہ پر اپنا ہاتھ مارا ”فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدْرِهِ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَقَ رَسُولُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا يَرْضَى بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [ترمذی وابوداؤ و دواری] (تمام ترقیت اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس کے ذریعہ وہ رسول اللہ کو راضی کر سکے)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان کا علم کے ساتھ کس قدر گہرا بڑا و تعلق ہے، کہ انسان بغیر علم کے زندگی میں کوئی کامیاب کردار ادا کر ہی نہیں سکتا، نہ دعوت کا کام کر سکتا ہے اور نہ صالح و کار آمد معاشرہ کی تشكیل کر سکتا ہے، اور نہ بلند اخلاق کا مظاہرہ کر سکتا ہے، اگر وہ کتاب و سنت کے علم کا حامل نہ ہو، اسی لیے عالم کا مقام عابد کے مقابلہ میں زیادہ ہے، جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند اور ستاروں کے ذریعہ مثال دی کہ علم بہر حال چاند کی روشنی کے مانند ہے کہ پورے عالم کو منور کر دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ ستاروں کی روشنی چاند کے مقابلہ میں بہت ہی کم، باوجود اس کے کہ عبادت ہر مسلمان کی اولين ضرورت اور اس کی زندگی کا مقصد اصلی ہے، لیکن وہ بھی بغیر علم کے ناممکن ہے اور شاید علم کی تشكیر کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ”مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَتَغَيَّرُ فِيهِ عِلْمًا“ میں علم و معرفت کے تمام اقسام و انواع کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو، علم اپنی ذات کے اعتبار سے ہر چیز کے علم کو حیط ہے، چاہے وہ مادی اشیاء کا علم ہو یا عبادتی احکام کا علم، لفظ علم تمام علوم

ہے، اور مسلمانوں کی شخصیت بغیر علم کے کامل نہیں ہو سکتی، اور مسلمان بغیر علم کے اپنی ذمہ داریاں نبھا بھی نہیں سکتا، تو یجیے وہ مبارک حدیث جس کو حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے:

”مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْحَنَّةَ وَإِنَّ الْمُلَاوِيَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضَا بِمَا صَنَعَ وَإِنَّ الْعَالَمَ يَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ حَتَّى الْحِيتَانَ فِي الْمَاءِ وَفَضْلُ الْعَالَمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلُ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَبَّةُ الْأَنْبِيَاءَ وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّيُوا دِينًا وَلَا دِرْهَمًا إِنَّمَا وَرَرُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَهُ بِحَظٍ وَافِرٍ“ [ابوداؤ و ترمذی]

حضرت معاذ بن جبل کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا: ”کَيْفَ تَقْضِي؟ إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءً“ اگر تمہارے سامنے منصب تھا پیش کیا جائے تو کیسے فیصلہ کرو گے، تو حضرت معاذ بن جبل نے فرمایا: ”أَقْضِي بِكِتَابِ اللَّهِ“ (اللہ کی کتاب کے ذریعہ فیصلہ کروں گا)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم کتاب اللہ میں حکم نہ پاسکو تو ”فَإِنَّمَا تَحْدِدُ فِي كِتَابِ اللَّهِ“ تو فرمایا: ”فَيُسَنَّةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ حضور کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، آپ نے فرمایا: ”فَإِنَّمَا تَجِدُ فِي سُنْنَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ أَجْتَهَدْ بِرَأْيِي وَلَا أُلُوْ“ اگر تم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نہ پاؤ تو فرمایا میں اجتہاد کروں گا، اور اس میں کوتا ہی نہیں کروں

و پچنگیزیت سے پاک نہیں ہو سکتی ہے، کوشاف لو بون مزید کہتا ہے کہ: عربوں نے اپنے اکنشافات کے ذریعہ صرف علمی ترقی ہی نہیں کی، بلکہ اس کو اپنی جامع تصانیف کے ذریعہ نشر بھی کیا، عربوں نے یورپ میں جو مقام پایا وہ اپنی تصانیف و تالیفات ہی کے ذریعہ پایا، پھر اس کے بعد ”فلوریان“ کا دور آیا، اس نے بھی عربوں کے علم و فن میں ترقی کا اعتراف کیا، کہتا ہے: عربوں کا ایک قابل تحسین زمانہ رہا ہے جس میں انہوں نے پڑھنے لکھنے میں قابل قدر، بل کہ اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو کہ پورا یورپ عربوں کی علمی خدمات کا مر ہون ہے، یہی خدمات تیر ہوئیں اور چودھوئیں صدری عیسوی کی علمی بیداری کا موثر ذریعہ ثابت ہوئی۔ [موقف الاسلام من العلم، معروف دوابی]

☆☆☆☆☆

فلسفی موصوف نے اپنی دوسری کتاب ”حضارۃ العرب“ میں عربوں کے علم کے ساتھ تعلق کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ عرب مسلمانوں کا علم کے ساتھ تعلق آخری درج تک پہنچا تھا، یہاں تک کہ بغداد میں بادشاہ خلفاء و علماء کو جمع کرنے کے لیے ہر طرح کے وسائل کا استعمال کرتے تھے، اعلیٰ درج کے فنکار اور ماہرین شاہوں کے محلات کی زینت ہوتے، بل کہ بغداد کے بعض خلفاء نے تو ریاضی کے بعض ماہرین کو اپنی مملکت میں لانے کے لیے قسطنطینیہ کے قیصر سے اعلان جنگ کر دیا تھا، اس لیے کہ اس شہر میں فن کے ماہرین کی بہتات تھی، فارس، یونان، اقباط، کلدان جیسے تمام شہروں میں حقیقی علمی مرکز بغداد ہی کے ذریعہ قائم کئے، بقول ابو الفرج: خلیفہ مامون الرشید، علماء کی طرف اس نظر سے دیکھتا تھا گویا کہ زمین علماء کے بغیر اپنی بربریت

بنیامین طلیطی (متوفی ۷۷۶) نے لکھا ہے: ”میں نے صرف شہر اسکندریہ میں بیس مدارس دیکھیے۔“ [حضرۃ العرب، کوشاف لو بون]

کوشاف لو بون مزید کہتا ہے کہ: بڑے شہروں میں جامعات و مدارس کا جال بچھا ہوتا تھا، بغداد، قاہرہ، طیبلہ، قرطہ جیسے شہروں میں تو ہر طرح کے آلات و وسائل سے لیس جامعات و مدارس ہوتے، گویا یہ جامعات ہر طرح کے علوم سے متصف ہوتے، یہ فلسفی مزید کہتا ہے: صرف اپسین میں ستر کتب خانے تھے اور قرطہ میں خلیفہ حکم الشانی کے مکتبہ میں عرب مؤلفین کے شمار کے مطابق چھ لاکھ جلدیں تھیں، ۴۲۲ جلدیں تو صرف فہرست کی تھیں، اس تاریخ کے اعتبار سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حکیم شارل بھی فرانس میں اپنے شاہی مکتبہ میں نو سو جلدیوں سے زیادہ جمع نہ کر سکا۔

پر چھوٹی رہیں۔ اپنی زندگی ہی کیا جو اس کے ناقابل فراموش واقعات و شخصیات بیان میں لا یئے اور اس اول جلوں آپ بیتی کے گلکوے اہل محفل کو سنائیے۔ محفل تعمیل ارشاد میں یہ سامعہ خراشی چند منٹ کے لیے کردی گئی۔ ہاں لبھیے جو بات بالکل شروع میں عرض کر دینے کی تھی وہ اب جا کر یاد پڑی۔ اردو کا اٹھا سیدھا ذوق یہ جو کچھ بھی اپنے نصیب میں آیا اس میں ایک بڑا دخل اس کو بھی ہے کہ بچپن ہی میں اردو کی ریڈرس مولوی محمد اسماعیل میرٹھی مرحوم کی پڑھنے کو مل گئی تھیں۔ یہ ریڈرس دو چار سال نہیں کہنا چاہیے کہ تین بار نسلوں کی مدت تک برادر لڑکوں کے کوس میں داخل رہیں۔ ان کے ادبی شعور کو ذوق سلیم کے ڈھانچے میں ڈھالتی ہوئی، سنبھارتی ہوئی، نکھارتی ہوئی۔

☆☆☆☆☆

چشمک، صحیحی و انشا کی ہاتھا پائی وغیرہ لیکن دو معرکے بچپن میں اپنی آنکھ سے بھی دیکھ لئے ایک تو بہت بچپن تھا جب امیر داغ کے شاگردان رشید اپنے اپنے استادوں کے ناموں کا رجز پڑھتے تھے۔ لنگر انگوٹے کس کراکھاڑے میں کو دو پڑتے تھے اور دوسرا قصہ بہت بعد کا ہے جب مثنوی گلزار نیم پر لے دے شروع ہوئی تھی۔ ایک فریق کے لیدر جناب شر صاحب پیام والے شمشی شاہ حسین تھے اور دوسرا فوج کی کمان چکبست اور اودھ پنج و اسے سجادو حسین کے ہاتھ میں تھی۔ صاحب ایک طوفان تھا طوفان۔ لعن وطن کی وہ بھر مار۔ ایک دوسرے عزت و حرمت پر بیگار، زبان پر وہ تو تکار، طوفان کیا اگر وہ خود داخل بد تمزیری نہ ہو، یہ ایک پورا طوفان بے تمزیری، پھر بھی ادبی بچوں بات پر جھڑتے رہے اور شعر و انشاء کی پھل بھڑیاں قدم تقدم پڑھتے۔ ناخ و آتش کی لپٹ جھپٹ ائمیں ودیر کی

.....باقیہ صفحہ ۸ رکا

غیریکی بات بات پر زبان پکڑنی شروع کر دی۔ اور چلنے گھنٹہ اس میں تمام ہو گیا۔ محسنوں کی فہرست لمبی ہوتی جا رہی ہے۔ اور فہرست کا نام لینے کی نوبت ہی نہیں آرہی ہے۔ یہ تھے مرا زا محمد ہادی لکھنؤی جن کے تخلص مرازا سے کم لوگ اور نظری لقب رسوائے زیادہ واقف ہیں۔ ”امراؤ جان ادا“ اور ”ذات شریف“، ”آخری بیگم“ والے کہ ان کی زبان کی سلاست، نفاست، نزاکت کا نقش دل پر کچھ ایسا بیٹھا کہ بیٹھا کیا معنی؟ آج تک ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ اپنی اردو دانی جب کبھی انگڑائیاں جمایاں لینے لگتی ہے تو انہی کتابوں کی ہوا اسے تازہ دم کر دیتی ہے۔

ادبی معرکوں کے قصے کتابوں میں تو بہت

ظاہر داریِ خدا کے بیہاں نہیں چلتی!

مولانا مشش الحق ندوی

تیسرا غلطی آپ نے یہ کی کہ بغیر اجازت آپ گھر میں تشریف لائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتٍ كُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا“ [نور: ۲۷] (اپنے گھروں

کے علاوہ گھروں میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ اجازت لے لو اور اہل خانہ کو سلام کرو)، اس بوڑھے نے جو آیات پڑھیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کمزوریوں کو خوب جانتا ہے، اس کو کھلے چھپے سب کا علم، لیکن اس نے بندوں کی پرده داری کی کیسی ہدایت دی ہے۔

بوڑھے کی بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے سچ کہا، کیا تم مجھ کو معاف کر دو گے؟ بوڑھے نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے، اس کے بعد حضرت عمرؓ باہر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ رور ہے تھے اور فرمار ہے تھے: ہلاکت ہے عمر کے لیے، اگر اللہ تعالیٰ نے مغفرت نہ فرمائی، اپنے کو مخاطب کر کے فرماتے تھے کہ تم جانتے ہو کہ آدمی ایسی حالت کو اپنے اہل و عیال سے بھی چھپانا چاہتا ہے اور یہ اب یہ کہے گا کہ مجھ کو امیر المؤمنین نے اس حال میں دیکھیا۔

ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہماری کسی غلطی پر اگر ٹوک دیا جائے تو ہم اپنی غلطی ماننے کے بجائے مزید غصہ اور جھنجڑاہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں، اور ایسے غلطی پر آگاہ کرنے والے ہی کو غلط سمجھتے ہیں، کاش ہمارے اندر خوف خدا اور یوم الحساب کا وہ شعور پیدا ہو جاتا جس نے امیر المؤمنین کو رلا دیا اور فرمار ہے تھے کہ ہلاکت ہے عمر کے

ایک دروازہ کے سوراخ سے جھاناکا تو ایک بوڑھے کو دیکھا، اس کے سامنے گانے والی لڑکیاں نظر آئیں، یہ دونوں حضرات دیوار پھاند کر بوڑھے کہ پاس پہنچ گئے اور فرمایا: تم جیسے بوڑھے کا اس حال میں ہونا کتنا برا ہے، بوڑھا کھڑا ہو گیا اور عرض کیا: امیر المؤمنین آپ کو میں قسم دیتا ہوں کہ جب تک میری بات نہ سن لیں میرے بارے میں کوئی فیصلہ نہ فرمائیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کہو کیا کہتے ہو، بوڑھے نے کہا کہ اگر میں نے ایک بات میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے تو آپ نے تین باتوں میں اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: وہ کون کون ہیں؟ اس نے کہا: ایک بات تو یہ کہ آپ نے تجسس کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، ارشاد ہے: ”وَلَا تَحْسِسُوا“ [حجرات: ۱۲] دوسری بات یہ کہ آپ گھر کے پیچھے سے کوڈ کر گھر میں آئے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”وَأَتُوا الْبِيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا“ [بقرہ: ۱۸۹] (گھروں میں ان کے دروازہ سے آؤ)، یعنی ان کے پیچھے سے نہ داخل ہو، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: ”لَيْسَ الْبَرُ بِأَنْ تَأْتُوا الْبِيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا“ [بقرہ: ۱۸۹] یعنی نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں ان کے پیچھے سے داخل ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رب عرب و بد بہ کا حال ہر پڑھے لکھے شخص کو معلوم ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ ان کے اقدام و فیصلہ کے خلاف کوئی قرآنی فرمان آ جاتا تو فوراً رک جاتے، اور ”کان و قافاً عند کتاب اللہ“ کا مظاہرہ ہوتا، سارا غصہ اور تنبیہ کا جذبہ ختم ہو جاتا، ان کے اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جو رہنمای خطا کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہماری کسی چوک اور غلطی پر ٹوک دیا جائے، غلطی کی نشاندہی کی جائے تو غصہ بڑھ جاتا ہے، جو ضد اور ہٹ دھرمی کی صورت اختیار کر لیتا ہے، اتنا کہ اگر اس کا نقصان پوری ملت کو پہنچ رہا ہو تو اس کی کوئی پرواہ نہ ہو گی، وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم ایک عرفی دین کے پابند ہو گئے ہیں، خاص قسم کی وضع قطع، اپنے کچھ معمولات و وظائف، تکلف و تصنیع، اس خاص دائرہ سے ہٹ جو کچھ کریں، اس سے اس عرفی دین میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

جو کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں اس پس منظر میں امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صرف ایک واقعہ ہماری آنکھیں کھولنے اور اپنے عرفی دین سے ہٹ کر سوچنے اور غور کرنے کا غیر معمولی سامان رکھتا ہے:

”ایک مرتبہ حضرت عمرؓ حضرت ابن مسعودؓ کے ساتھ رات میں گشت کر رہے تھے،

لیکن بے تکلف ایک مسلمان کی پرده دری کرنے، فساد ذات الابین اور تفریق یہیں اسلامیں میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، اس میں کوئی حرج نہیں کہ دو ذمہ داروں کو ایک دوسرے سے ٹڑا دیں۔ آگے کچھ لکھوں تو کیا لکھوں، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ علیہ کے درد دل اور خواص امت کی حال زار پر جلن و کڑھن، کرب و بے کلی جو گویا آنسو بن کاغذ پر پک پڑی ہے اسی کا خلاصہ نقل کر کے بات ختم کرتا ہوں، فرماتے ہیں:

”جن چیزوں کی حرمت منصوص ہے، مثلاً غیبت، چغل خوری، اتهام، دروغ بانی، وہ ہماری مجلسوں میں دن رات ہوگی، یہ کیا ہے؟ یہ ظاہرداری خدا کے یہاں نہیں چلتی، وہ عالم السراائر عالم الغیب ہے، وہ ظاہر سے دھوکہ نہیں کھاتا، مسلمان کی توہین اور عالم کی تذلیل حرام، بے تحقیق و بے ثبوت بات کہنا یا سن کر اس کو فوراً مان لینا اور اس کی اشاعت کرنا حرام۔

ہم ایک عرفی دین کے پابند ہو گئے ہیں اور جو چیزیں ہمارے عرف میں ناپسندیدہ نہیں ہیں، ہم بے تکلف ان چیزوں کا ارتکاب کر لیتے ہیں جن سے بعض وقت پوری امت کو نقصان پہنچتا ہے، جن سے ایک متد اور ہم مسلک جماعت میں سخت انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے ان تمام مقاصد اور مسلک کو نقصان پہنچتا ہے جن کی یہ جماعت حامل اور دائی اور ان کی ایک علامت بن گئی ہے۔“

ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم تغفر لنا وترحمنا لن تكونن من الخاسرين۔

☆☆☆☆☆

ایمانی غیرت رکھنے والے عام مسلمان بھی جانا پسند نہ کریں گے، وہ اپنے بے راہ روی اور کمزوریوں کے باوجود اتنا نیچے اترنا گوارہ نہیں کر سکتے، حالانکہ اپنی آنکھوں سے عزت و شہرت اور مال و دولت کے پیاسوں کو پے بہ پے پانی کے بلبلوں کی طرح پھٹتے اور گم نامی کے غار میں جاتے دیکھ رہے ہوتے ہیں، پھر بھی اس کی طرف بھوکوں کی طرح لپکتے اور دوڑتے ہیں اور اپنے اس دینی و ملی کردار کو داغ دار کرتے ہیں جو دوسروں کے لیے قطب نما کا کام دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے ہماری اس حالت زار پر حرم فرمائیں اور اس آیت کریمہ کو ورزیان بنانے اور اس دن کے تصورو خیال سے کانپ جانے اور اپنے مقام کو پہچاننے کی توفیق دیں۔ ارشاد ہے:

”وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضَعَ الْكِتَابُ وَجَيَّءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشَّهِدَاءِ وَفُضَّيَّ بِنَهْمُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ، وَوُفِيتُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَعْلَمُونَ“ [زمر: ۶۰، ۷۰] (اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی اور پیغمبر (اور) گواہ حاضر کیے جائیں گے، اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور بے انصافی نہیں کی جائے گی اور جس شخص نے جو عمل کیا ہوگا اس کا پورا پورا بدلال جائے گا اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اس (اللہ) کو سب کی خوبی ہے۔)

ہمارے بہت سے دین داروں کا حال یہ ہے کہ بعض اوقات مباحثات کے استعمال میں احتیاط کرتے ہیں کہ یہ ہماری وضع کے خلاف ہے

لیے، اگر اللہ تعالیٰ نے مغفرت نہ فرمائی اگر تمہاری دینداری اپنی غلطی مان لینے پر آمادہ کرتی تو شاید امت کو ایسے برے دن نہ دیکھنے پڑتے جن سے وہ دوچار ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کچھ مخلص اور رباني علماء کو چھوڑ کر جن سے دین و ملت کا بھرم قائم ہے، ہم اپنے منصب سے بہت نیچے اتر آئے ہیں، بڑے رسوائیں کردار کا مظاہرہ کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ہم طرح طرح کی مصیبتوں کا شکار ہیں اور ذلت و رسوائی ہماری علامت بن کر رہ گئی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے منکروں کی اتنی جلد کپڑہ نہیں کرتے جتنی مسلمانوں کی، قرآن کریم کی تلاوت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی بے عملی و بد عنوانی سے غضب الہی اتنا نہیں حرکت میں آتا جتنا مسلمانوں کی نافرمانیوں سے، اس لیے کہ کفار کے بارے میں تو کہہ دیا گیا: ”فَذَرْ هُمْ يَخْوُضُوا وَيَلْعَبُوا وَيُلْهِمُهُمُ الْأَمْلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ“ (ان کو چھوڑ دو، یہ لگر ہیں باطل میں اور کھیل تماشوں میں اور باطل آرزوں میں ان کو غافل رکھیں، وہ عنقریب جان لیں گے (یعنی ان کا حساب آخرت میں پورا کیا جائے گا)۔ لیکن مسلمانوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے، ان کو جلد تنبیہ کی جاتی ہے کہ توبہ و استغفار کریں اور ان کا ماموں کو چھوڑ دیں جو ان کی کیش کے خلاف ہیں۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ جاہ طلبی اور سستی شہرت کی ہوں و پیاس نے ہمارے بہت سے خواص کو اس سطح تک پہنچا دیا ہے جس سطح پر ہمارے بہت سے ان پڑھ اور سادہ دل دینی و

تصویر وطن

یوم جمہوریہ کا پیغام

مولانا عبدالحی حسین ندوی

ملک رہا ہے اور ایسے لوگ یہاں پیدا ہوئے
جنہوں نے اپنے اخلاق و محبت سے لوگوں کا
دل جیتا ہے، حضرت خواجہ معین الدین چشتی
اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء چیزیں
بزرگ اس ملک کی عظمت اور اس کی پہچان
ہیں، بڑی ذمہ داری ہم مسلمانوں کی ہے
جن کے پاس اخلاق و محبت کا وہ نظام ہے
جس نے ہمیشہ دلوں کو جیتا ہے اور گھی بات
ہے کہ:

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ
مسلمانوں کی بڑی ذمہ داری ہے وہ
اس سوغات کو تقسیم کریں، حضور اقدس صلی
اللہ علیہ وسلم کا مبارک نمونہ ان کے سامنے
ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح عفو
و درگزرن سے کام لیا اور انسانیت کے لیے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں
کیسی کیسی مثالیں ہیں:

گالیاں جس نے دیں اس کو تختے دیے
زخم جس کے لگے زخم اس کے سے

عافیت کی دعا مانگی سب کے لیے
کی جنا جس نے بد لے وفا سے دیے

جس نے سب کو پلایا محبت کا جام
اس پہ لاکھوں درود اس پہ لاکھوں سلام

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ
علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہندوستان تین
ستونوں (pillars) پر قائم ہے:
۱۔ جمہوریت (democracy)
۲۔ سیکولرزم (secularism)
۳۔ عدم تشدد (non-violence)
جب تک یہ ستون مضبوط ہیں ملک مضبوط
ہے، اگر یہ ستون کمزور ہو گئے تو ملک کمزوری
کے راستہ پر پڑ جائے گا۔
یوم جمہوریہ ہمیں ان حقیقوں کو یاد
دلانے کے لیے آتا ہے، یہاں کا قانونی
جمہوری ڈھانچہ ملک کے وقار کی علامت
ہے، یہ ذمہ داری ہے ان لوگوں کی جن کے
ہاتھوں میں ملک کا اقتدار ہے کہ وہ اس
ڈھانچہ کو کسی قیمت پر کمزور نہ ہونے دیں،
یوم جمہوریہ ہر سال پورے ملک کے
باسیوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ وہ بھی ہر حال
میں اس ملک کا وقار باقی رکھنے کے لیے
عزم کریں۔
اس وقت ملک ایک خطرناک رخ پر
پڑ گیا ہے، مسئلہ کسی فرد کا نہیں، کسی کمیونٹی کا
بھی نہیں، مسئلہ پورے ملک کا ہے، حد سے

یہ ملک امن و شانتی اور پیار و محبت کا

جذبہ انتہت کے نقصانات

مولانا محمد خالد غاز پوری ندوی

کہتے ہیں: ٹھنڈک بہت زیادہ تھی لیکن خیمہ کے باہر نکلتے ہی ایسا محسوس ہوا کہ میں کھلی نضا میں نہیں بلکہ کسی بند جام میں ہوں، جہاں پانی گرم کیا جاتا ہے اور فضا اس کی وجہ سے گرم ہوا کرتی ہے، پھر اڑی کے دھلوان سے گذرتے ہوئے میں ابوسفیان کے قریب پہنچ گیا اور وہ اس وقت الاؤ جلا کر اپنی پیچہ سینک رہے تھے، ان کو دیکھ کر میں جذباتی ہو گیا اور سوچا کہ سارا مسئلہ تو یہی ہیں، آج ایک ہی تیر میں ان کا کام تمام کیا جاستا ہے، میں تیر کو مکان میں رکھا اور نشانہ لینے ہی والا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا آگیا: "لاتذعن علی" (ان کو بھڑک کر خوف میں بٹلانے کرنا، لہذا میں رک گیا اور گرد و پیش کا جائزہ لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوری رپورٹ پیش کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اپنی کملی کا حصہ میرے جسم پر ڈال دیا اور میں گھری نیند سو گیا، خیمہ میں شدید ٹھنڈک کا احساس ہوا جب کہ باہر اس کے بر عکس فضما محسوس ہوتی رہی۔

یہ اصل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت کا ثمرہ تھا، اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اطاعت رسول کی وجہ سے حالات تبدیل ہو سکتے ہیں، حضرت حذیفہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جذباتی ہونے سے منع فرمایا تھا، جذبہ قبل قدر ہے لیکن جذبائیت انسان کو منع کردار پر آمادہ کر دیتی ہے۔

ایک سریہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میر لشکر بنا کر قبیلہ جہینہ کی سر کوبی کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھجا، صبح سوریے شب خون مارنے کی کارروائی کی گئی،

بنیاد پر جذباتی ہو کر کرتا، اس لیے میں نے گریز کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے معاملہ میں کبھی جذبات میں نہیں آتے تھے اور جذبائیت کی بنیاد پر کس سے اتفاق نہیں لیتے تھے، لیکن جہاں حقوق اللہ اور شعار اللہ کے خلاف کوئی بات ہوتی تو آپ کا غضب اور جذبہ دیدنی ہوتا اور اتفاقی کا روائی بھی کرتے تھے یا کم از کم سرزنش فرماتے تھے، کسی بھی فیصلہ میں سرعت اور جلد بازی سے کام نہیں لیتے تھے، بلکہ اس سے منع فرماتے تھے۔ غزوہ خندق کے موقع پر ایک شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خیمہ میں آواز لگائی کہ کون ہے جو ابوسفیان (جو کافروں کے سپہ سار لار تھے) کے بارے میں پتہ لگائے کہ اس وقت وہ کیا کر رہے ہیں؟ صحابہ کرام جو آپ کے خیمے میں تھے، وہ سوچکے تھے، لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ یہ آواز لگائی، اور تیسرا دفعہ حضرت حذیفۃ الیمان کا نام لے کر کپاڑا، حضرت حذیفۃ الیمان نے لبیک کہا اور اڑھکر حضور کے سامنے تشریف لائے، حضور اکرم نے انہیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ: پس پتہ لگا کر آؤ، ان کو بھڑکا نہیں: "لاتذعن علی" (ہمارے خلاف بھڑکا نہیں) حضرت حذیفہؓ نے تیرو کمان سنھالا اور ابوسفیان کا پتہ لگانے کے لیے نکل گئے۔

انسانی زندگی میں صبر و تحمل کی وجہ سے جس قدر مثبت نتائج سامنے آتے ہیں، اسی قدر جذبائیت انسان کے اندر جذبہ انتقام، سرعت اور افعال کی وہ کیفیت پیدا کرتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ پاتا ہے، اور زبان کے ساتھ ساتھ کبھی بھی ہاتھ بھی دراز ہو جاتا ہے اور انسانی قدر میں پامال ہو جاتی ہیں، اور ایک باعزت شخص لوگوں کی نظر وہ میں گرجاتا ہے، اور اسکے اخلاقی قدر وہ کا گراف گرتا چلا جاتا ہے، اور نیک نامی بدنامی میں تبدیل ہو جاتی ہے، اس لیے مومنانہ صفات میں اس کو شمار نہیں کیا جاسکتا ہے، جذبائیت تو قوت غصیبیہ کا مظہر ہوتی ہے اور بسا اوقات جذبائیت کا اسیر عجب اور کبھی مبتلا ہو کر دنیا و آخرت کے خران کا نشانہ بن جاتا ہے، اسی لیے قرآن پاک میں جا بجا صبر کی تلقین کی گئی ہے اور احادیث نبویہ اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کے بہتر نمونے پیش کیے گئے ہیں جن سے جذبائیت کی نفی ہوتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ و جہہ کے بارے میں آتا ہے ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی گستاخی کی تو آپ نے اس کو پچھاڑ دیا، اسی اثناء میں اس نے آپ پر تھوک دیا تو آپ نے اسے چھوڑ دیا اور یہ کہا کہ اگر میں کوئی اقدام کرتا تو نفسانی خواہش کی

شخص نے کہا کہ حضرت عمرؓ کی وفات اگر ہو گئی تو ہم حضرت طلحہؓ کے ہاتھ پر بیت کر لیں گے اور اچانک بیعت پھر قابل قبول ہو جائے گی جس طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت اچانک ہوئی تھی اور پھر استحکام ہو گیا، حضرت عمر فاروقؓ امیر المؤمنین کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپؓ نے فوراً سب کو جمع ہونے کا حکم دیا تاکہ اس کے خلاف تقریر کریں، اس موقع پر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ موجود تھے، انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! ایسا نہ کریں، جذبہ میں نہ آئیں، سنجیدگی سے سوچیں، اس وقت عوام الناس کی بڑی تعداد موجود ہے، وہ آپ سے قریب ہوں گے اور آپؓ کی بات سنیں گے اور سمجھیں گے نہیں اور بات کا بنتگل بنا دیں گے، آپ تحمل سے کام لیں اور مدینہ منورہ پہنچ کر اس مسئلہ کو اٹھائیں، وہاں منتخب جماعت ہو گا اور آپ کی بات صحیح طور پر لوگ سمجھ سکیں گے، حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مشورہ کو قبول فرمایا اور بڑی آزمائش سے سب لوگ محفوظ رہے۔

لہذا ہمیں ہر معاملہ میں سنجیدہ، متین اور تحمل کے ساتھ غور کرنا چاہیے اور اجتماعی و انفرادی معاملہ اس پر عمل کرنا چاہیے، دشمن کبھی کبھی ایسی حرکتیں کرتا ہے تاکہ ہم جذبات میں آجائیں، اقدام کریں، اور جو جذبات میں آجاتا ہے، وہ آپے سے باہر ہو جاتا ہے، اپنی ذات پر قابو ہو دیتا ہے، پھر کیا بولتا ہے اور کیا کرتا ہے، اس کے نتائج کیا ہوں گے، اس سے نا بد ہوتا ہے اور بہت بڑے نقصان کے دلدل میں پھنس جاتا ہے، لہذا اس سے پچنا چاہیے اور ساجی زندگی میں اس کے بغیر کوئی تخلیقی وصال کام بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

کی اور نہ ہی کسی کے خلاف دست درازی کی بلکہ تحمل سے کام لیتے ہوئے ان کے حق میں دعا فرمائی: "اللَّهُمَّ إِنْهَا قَوْمًا فَإِنَّمَا لَا يَعْلَمُونَ" (اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے، اس لیے کہ وہ جانتے نہیں ہیں)۔

اللَّهُعَزُوجَلَّ نے اس موقع پر جذبۃ التیت پر قابو رکھنے کے صلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ کو تین اعماالت سے نوازا جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱- مقامِ تحمل میں اجنب آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام لائے۔

۲- مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی راہ ہموار ہوئی اور آپؓ نے ہجرت فرمائی۔

اگرا ہل طائف قادر کرتے تو آج طائف ہی مدینہ منورہ ہوتا؛ لیکن انہوں نے جذبۃ التیت سے کام لیا اور قدرنہیں کی اور نقصان اٹھائے۔

۳- اللَّهُعَزُوجَلَّ نے اس اندوہناک معاملہ کے بعد آپؓ کو مراجع سے نوازا، انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی، ان کی امامت کی اور ایک مجذباتی انداز میں یہ سب کچھ ہوا، آسمان و زمین کی سیر کرائی گئی اور یہ اشارہ دیا گیا کہ آپؓ کی دعوت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک آپؓ کی نگاہ پہنچ رہی ہے، یہ تحمل و برداشت اور سنجیدگی کے ساتھ معاملہ فہمی، عدم رجاہیت سے پاک زندگی کا حاصل ہے جو ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ملتا ہے۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس راہ پر گام زن تھے، اسی کے داعی بھی تھے چنانچہ ایک موقع پر جب امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے حج فرمایا، بہت سے صحابہ اور سپہ سالاران کے لشکر کے ہمراہ تھے۔ ہمیں میں قیام کے دوران ایک

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، انہوں نے بجائے "أَسْلَمْنَا" کہنے کے "صَبَّانَا صَبَّانَا" کہا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کو انکار پر محظوظ کیا اور انھیں قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جو اس سریہ میں موجود تھے، آپؓ نے خود بھی اور دیگر رفقاء کو بھی ایسا کرنے سے منع فرمادیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی اس جذبۃ التیت پر نکیر کرتے ہوئے اپنی برأت کا اظہار کیا، اس سے معلوم ہوا کہ تحمل سے کام لینا چاہیے، قوت برداشت کو پیش نظر رکھ کر اپنے آپ کو بے قابو ہونے سے بجانا چاہیے۔

آج ہمارے معاشرہ میں جذبۃ التیت بہت زیادہ ہے، اس کی وجہ سے افرادی اور اجتماعی نقصانات بھی بہت اٹھانے پڑ رہے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ میں دعوت و ارشاد کا کام کرتے رہے، ان کی طرف سے برابر انکار کا معاملہ ہی نہیں بلکہ ستم رانی بھی ہوتی رہی، یہ سوچ کر کہ شاید اہل طائف اس عظیم دعوت کو قبول فرمائیں اور دارین کی سعادت کے مستحق ہوں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلام حضرت میسرہ کے ساتھ طائف تشریف لے گئے اور انھیں اسلام کی دعوت دی لیکن اہل طائف نے امید کے برخلاف شدید معاندہ ردوی اختیار کیا، آپ کو طعن و تنفس، طنز و تعریض کا ناشانہ بنایا گیا، اوابا شوں کے ذریعہ آپ کے جسم اطہر پر خشت باری کی گئی جس سے آپ کا جسم اطہر اہولہ ان ہو گیا، آپ انتہائی پریشانی کی حالت میں وہاں سے نکلے لیکن آپ نے نہ ہرزہ سرائی

بحث و نظر

نقہی سیمینار منعقدہ ۲۲-۲۳ نومبر ۲۰۲۲ء کی افتتاحی نشست میں پیش کی گئی تحریر

محلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء الکھننو

تاریخ، تعارف اور سرگرمیاں

مولانا عقیق احمد بستوی

اول ص ۲۰۲، طبع دارالفکر یروت لبنان]
 خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض
 کبار صحابہؓ کے سوال کے جواب میں انہیں ہدایت
 دی کہ اگر کتاب و سنت میں کسی مسئلے کا حکم نہ ملت تو
 خدا ترس ماہر علماء کے اجتماعی مشورے سے اس کا
 حکم معین کیا جائے گا، اور انفرادی رائے کو
 بروئے کرنے نہ لایا جائے، چنانچہ طبرانی نے
 "المعجم الاوسط" میں حضرت علی بن ابی
 طالبؓ کی حدیث نقل فرمائی ہے:

قلت یا رسول اللہ! الامر ینزل بنالم ینزل
 فیه القرآن ولم تمض فیه منك السنة فقال:
 اجمع العالمین من المؤمنین فاجعلوه شوری
 یینکم ولا تمضوا فیه برای واحد (حضرت علی
 نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اگر ہمارے سامنے
 کوئی معاملہ آتا ہے جس کے پارے میں نہ قرآن
 میں کوئی حکم ہو اور نہ آپ کی کوئی سنت ہو تو ہم کیا
 کریں؟ آپ نے فرمایا: اہل ایمان میں سے علماء کو
 جمع کرو، علماء اسے باہمی مشورہ سے طکریں، کسی
 ایک کی رائے سے اس میں فیصلہ نہ کرو)۔

(اس حدیث کی روایت امام طبرانی نے
 "المعجم الاوسط" میں کی ہے، جس کے روای
 ثقہ ہیں اور صحیح بخاری کے روایہ ہیں، جیسا کہ علامہ
 حیثی نے "مجمع الزوائد" [ج/ا ص ۱۷۸] میں
 لکھا ہے، علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "مفتاح
 الجنۃ" میں اسے صحیح قرار دیا ہے، یہ روایت کنzel
 العمل میں بھی ہے، حدیث نمبر: ۳۸۸، حافظ
 ابن عبد البر نے امام مالک کی سند کے ساتھ اس
 حدیث کی روایت اپنی کتاب جامع بیان العلم
 و فضلہ [ج/ا ص ۱۶] میں کی ہے۔)

دور صحابہؓ میں اجتماعی اجتہاد
 دور صحابہؓ میں شرعی مسائل میں اجتماعی غور

اے معاذ! اگر کوئی معاملہ پیش آئے تو تم کس چیز سے
 فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا: کتاب اللہ سے،
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کتاب اللہ میں حکم
 موجود نہ ہو تو کیا کرو گے؟ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کرو گا، آپ صلی
 اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اگر سنت رسول میں
 بھی اس کا حکم نہ ملت تو کیا کرو گے؟ تو انہوں نے
 عرض کیا کہ میں قیاس سے فیصلہ کرو گا، اور اس
 میں کوئی کمی نہیں کروں گا (یعنی پورے غور و خوض
 کے بعد اور حکم شرعی پر مطمئن ہونے کے بعد فیصلہ
 کروں گا)، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس
 جواب پر ان کا سینہ تپتچایا، اور فرمایا کہ تمام تعریفیں
 اس اللہ کے لیے ہے، جس نے اپنے رسول کے
 فرستادہ کو اس جواب کی توفیق دی، جس کو اللہ اور اس
 کے رسول اپنے فرماتے ہیں۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کی اس حدیث کو بہت
 سے محدثین نے روایت کیا ہے اور تمام فقهاء نے
 قیاس کی جیت میں اس حدیث سے بھی استدلال
 کیا ہے، حافظ ابن قیم نے اپنی مشہور کتاب
 "اعلام الموقعین عن رب العالمین" میں بڑی
 اہمیت سے اس حدیث کو نقل فرمایا ہے اور اس کی ا
 چھی تشریع کی ہے، اس کی روایتی حیثیت پر بھی
 کلام کیا ہے۔ [ملاحظہ: اعلام الموقعین عن
 رب العالمین، للعلامة ابن قیم الحنبلي، جلد

الحمد لله رب العالمين، والصلا
 والسلام على خاتم الأنبياء والمرسلين،
 محمد بن عبد الله الأمين، وعلى آله
 وصحبه أجمعين، أما بعد!
 نے پیش آمدہ مسائل میں خاص طور سے وہ
 مسائل جن کا دائرة اثر کافی وسیع ہو، اور مختلف
 الجہات ہونے کی وجہ سے ان کا شرعی حل پیچیدہ
 اور دشوار ہوا جماعتی اجتہاد کی ضرورت کا احساس
 دور قدیم سے چلا آرہا ہے، غیر منصوص مسائل میں
 ادله شرعیہ کی روشنی میں حکم شرعی معین کرنا بہت
 نازک اور حد درجہ ذمہ دارانہ عمل ہے، یہ کام انہی
 خدا ترس، زمانہ شناس علماء اور فقهاء کا ہے جن کی
 ادله شرعیہ پر گہری اور وسیع نظر ہو، اور جن کے اندر
 استنباط مسائل کی بھر پور صلاحیت ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صحابہ کرامؓ کو
 اصول اجتہاد سکھایا، اور غیر منصوص مسائل میں حکم شرعی
 کی دریافت انہیں کس طرح کرنی چاہیے، اس سلسلہ
 میں بنیادی رہنمائی فرمائی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو میں کا قاضی مقرر
 کیا، اور ان کو رخصت کرنے کے لیے ان کے ساتھ
 کچھ دور تشریف لے گئے، اس دوران حضرت معاذ
 بن جبلؓ بخنسیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قضا
 کی عظیم ذمہ داری سپرد فرمائی تھی، اس موقع پر رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان سے یہ سوال کیا کہ

کے بغیر میں اجتماعی اجتہاد شامل رہا ہے، جیسا کہ اہل علم اس سے واقف ہیں۔

دور حاضر میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت

انیسوں اور بیسوں صدی میں صحتی اور سیاسی انقلابات کے نتیجے میں زندگی کے مختلف میدانوں میں بے شمار نئے پیچیدہ مسائل نے جنم لیا، معاشریات کی نئی نئی شکلیں وجود میں آئیں، صنعت و حرفت کے میدان میں ہزاروں نئی مصنوعات وجود میں آئیں، سائنسی ترقیات کے نتیجے میں انسانوں نے فضاؤں اور سمندروں کو مسخر کیا، ستاروں پر کمنڈ ڈالی، ان غیر معمولی تغیرات نے ہزاروں نئے مسائل پیدا کیے، جن پر شرعی اصولوں کی روشنی میں غور کرنا اور حکم شرعی طے کرنا ضروری ہو گیا، اس مرحلے میں علماء کے طبقے میں شدت سے اس بات کا احساس ابھرا کہ ان نئے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے با بصیرت علماء اور فقهاء کے اجتماعی غور و خوض اور اجتماعی استنباط و اجتہاد کی حدود ضرورت ہے۔

سب سے پہلے شام کے مشہور مصنف اور مؤرخ رفیق بک عظیم (المتوفی ۱۹۲۵ء) نے اس موضوع پر ”قضاء الفرد و قضاء الجماعة“ کے نام سے ایک مختصر رسالہ تصنیف کیا، مصر میں اس کی اشاعت ہوئی اور دور دو تک اس رسالے کی گونج پھوٹی، پھر اس دور کے متعدد بلند پایہ فقهاء نے اس فکر و خیال کو آگے بڑھایا اور اس پر تحریریں لکھیں، خاص طور سے شیخ مصطفیٰ احمد زرقانے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”المدخل الفقہی العام“ میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت اور اہمیت پر بہت مؤثر اور جامع انداز میں گفتگو فرمائی اور رفتہ رفتہ مسلم ممالک میں اجتماعی اجتہاد و استنباط کے

کرنے والے مجاہدین میں تقسیم نہ کیا جائے؟ کیوں کہ اس کی آمدی سے آنے والی نسلوں کے حقوق بھی متعلق ہیں، (اس واقعہ کی تفصیل ابو عبدی قاسم بن سلام کی ”کتاب الاموال“ فقرہ نمبر ۱۴۹ تا ۱۵۳ میں موجود ہے، نیز ملاحظہ ہوا، ابن رشد کی ”بداية المجتهد“ جلد اس ۳۲۲، رد المحتار ج ۳ باب المعنی و قسمته)۔

دور صحابہ اور دور تابعین میں اجتہاد و استنباط کرنے والے حضرات عام طور پر دوسرے اہل علم سے مشورہ اور مذاکرہ کر لیا کرتے تھے، انھیں ایک دوسرے سے پوچھتے اور استفادہ کرنے میں کوئی جھگڑ محسوس نہیں ہوتی تھی، تمام فقہاء صحابہ و تابعین تواضع، فروتنی کی صفات سے متصف تھے، دین اور علم سیکھنے کے حد درجہ حریص تھے، انھیں ایک دوسرے سے استفادے میں عار محسوس نہیں ہوتی تھی، اپنے بڑوں اور اپنے معاصرین سے استفادہ کرنے کے علاوہ وہ اپنے چھوٹوں سے بھی علمی استفادہ کیا کرتے تھے، اور مسائل میں باہم مذاکرہ ان کا روزمرہ کا معمول تھا، تمام ائمہ مجتہدین بھی دین اور علم سیکھنے کے حد درجہ حریص تھے، انھیں ایک دوسرے سے استفادے میں عار محسوس نہیں ہوتی تھی، اپنے بڑوں اور اپنے معاصرین سے استفادہ کرنے کے علاوہ وہ اپنے چھوٹوں سے بھی علمی استفادہ کیا کرتے تھے، اور مسائل میں باہم مذاکرہ ان کا روزمرہ کا معمول تھا، تمام ائمہ مجتہدین بھی انہیں صفات سے متصف تھے اور ان کے اجتہاد میں اجتماعی غور و خوض کا عذر بھی موجود تھا، دور تابعین میں مدینہ منورہ کے فقہاء سبھے ایک دوسرے سے مشورہ کرنے اور استفادہ کرنے کے عادی تھے۔

فقہ حنفی اور اجتماعی اجتہاد

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسائل پر غور کرنے کا انداز واضح طور پر مشاورتی اور اجتماعی تھا، امام صاحب کے تلامذہ مقام اجتہاد پر فائز تھے، اور انھیں مختلف علوم میں درکھا، امام صاحبؒ کے ساتھ بیٹھ کر مسائل پر اجتماعی غور و خوض کرتے تھے، ہر ایک کو اپنی بات پیش کرنے اور اس پر دلائل کا اظہار کرنے کا پورا موقع ہوتا تھا، اس طرح فقہ حنفی

و خوض کا رواج رہا، خلیفہ دوم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں شرعی مسائل اور انتظامی مسائل پر غور و خوض کے لیے دو شوری بنا رکھی تھیں؛ نمبر ایک：خصوصی شوری۔ جن میں مہاجرین اولین میں سے بلند پایہ صحابہ اور انصار میں سے کبار صحابہ شامل تھے، ان حضرات سے حضرت عمر چھوٹے بڑے تمام معاملات میں مشورہ کرتے تھے، دوسرے：عمومی شوری۔ جو اس سے کہیں وسیع تھی، کوئی اہم معاملہ پیش آنے پر حضرت عمر اس شوری کو بلاستے تھے، مدینہ منورہ میں جو بھی فہم و فراست والے اور صائب الرائے افراد ہوتے تھے، انھیں اس میں شامل کیا جاتا، عام طور سے مسجد نبوی میں یہ شوری ہوتی لیکن اگر مجتمع زیادہ ہو جاتا تو مسجد نبوی کے باہر اور کبھی مدینہ منورہ کے باہر لوگوں کو جمع کیا جاتا اور معاملہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا اور رائے لی جاتی۔

سودا عراق کی زمینوں کے بارے میں جب اختلاف پیدا ہوا تو حضرت عمرؓ نے اس پر غور و خوض کرنے کے لیے بڑی شوری بلائی تھی، دو یا تین روز تک مشورہ ہوا پھر فیصلہ ہو سکا، جو صحابہ عراق کی فتح میں شامل تھے ان کا کہنا تھا کہ سودا عراق کی زمینیں فاتحین کے درمیان تقسیم کر دی جائیں جس طرح مال غنیمت میں حاصل ہونے والے اموال منتقلہ تقسیم ہوا کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اسے مال فی کی قرار دیا جائے، مجاہدین پر غور کیا جائے تاکہ مسلمانوں کی آئندہ نسلیں بھی اس سے مستفید ہوں اور اسلامی حکومت کی بنیادی ضروریات بھی اس کی آمدی سے پوری کی جائے، بالآخر دو تین روز کی اجتماعی غور و خوض کے بعد صحابہ کرام کی اس عظیم شوری میں بھی طے پایا کہ سودا عراق کی زمینوں کو مال فقرار دیا جائے اسے فتح

نظر سے غور و خوض اور ملت کی رہنمائی کے لیے مجلس تحقیقات شرعیہ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا، تلاوت قرآن کریم کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے ایک مقالہ "مسلم ممالک میں پرسل لا اور جدید تدان کے پیدا کیے ہوئے قابل غور مسائل" کے عنوان پر پیش کیا، اس میں مسلم پرسل لا کے بارے میں مسلم ممالک کے اب تک کے اقدامات کا جائزہ لیا گیا تھا اور نئے مسائل پر غور کرنے کے لیے اجتماعی اجتہاد کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالی گئی تھی، دوسرا مقالہ مجلس تحقیقات شرعیہ کے پہلے ناظم حضرت مولانا عینی نے "تدوین فقہ کی تاریخ اور موجودہ حالات کا جائزہ" کے عنوان پر اپنا مقالہ پیش کیا، اس مقالے میں ماضی میں اجتہادی کوششوں کے تسلسل کو پیش کرتے ہوئے موجودہ وقت میں اجتماعی غور و خوض کی اہمیت اور اس کے طریقہ کار پر روشنی ڈالی گئی تھی، اس مجلس میں بعض دوسرے شرکاء نے بھی اظہار خیال فرمایا، جن میں حضرت مولانا محمد منظور نعماںی اور حضرت مولانا عفتی رضا انصاری فرنگی محلی کے نام خصوصیت سے قبل ذکر ہیں۔

اس مجلس میں درج ذیل قرارداد منظور کی گئی:

"نئے حالات اور ایجادات نے جو ایسے مسائل پیدا کر دے ہیں جن کا واضح حکم ہماری فقہ میں موجود نہیں یا وہ معاملات و مسائل جنہوں نے موجودہ زمانے میں نئی شکل اختیار کر لی ہے، ان مسائل میں غور و فکر اور ان کے بارے میں ممکن حد تک اجتماعیت پیدا کرنے کے لئے اصحاب نظر علماء کی ایک مجلس تشکیل کی جائے۔" [رودا پہلی نشست، قلمی]

اس ابتدائی مشاورتی نشست میں جن چورہ بزرگوں نے شرکت فرمائی ان کے اسماے گرامی یہ ہیں:

۱- مولانا محمد منظور نعماںی (مدیر ماہنامہ

ہندوستان تک پہنچی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ عالم اسلام کے حالات پر گہری نظر رکھتے تھے، اور مسلم ممالک میں جعلی اور فکری رجحانات پروان چڑھ رہے تھے اور جو تحریکیں برپا تھیں ان سے بخوبی واقف تھے، حجاز اور مصر و شام وغیرہ کا سفر کر کے وہاں کی اہم علمی شخصیات، اداروں اور جامعات سے بخوبی واقف تھے، خاص طور سے مصر و شام کی اہم فکری اور علمی شخصیات سے براہ راست مذاقتیں کر رکھتے تھے، داکٹر مصطفیٰ السباعی، شیخ مصطفیٰ احمد زرقاع، شیخ ابو زهرہ وغیرہ سے ان کے گھرے شخصی رابطے تھے اور عالم عرب میں ہونے والے علمی، فقہی، ادبی، کاموں پر مولانا موصوف کی بڑی مبصرانہ نظر تھی، انھیں اس بات کا احساس تھا کہ عالم اسلام میں اور بر صیری ہندوپاک میں کن دعویٰ، علمی تحقیقی کاموں کی ضرورت ہے۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کا قیام

چنانچہ انہوں نے اپنے چند بلند پایہ معاصرین (حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، حضرت مولانا عشق الرحمن عثمانی، حضرت مولانا محمد منظور نعماںی رحیم اللہ) کے مشورے سے بر صیری ہندوپاک میں نئے فقہی مسائل پر اجتماعی غور و خوض، اجتماعی استنباط و اجتہاد کے عمل کو شروع کرنے کا فیصلہ فرمایا، مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کی داغ بیل ڈائل، ستمبر ۱۹۶۱ء میں مجلس تحقیقات شرعیہ کی تاسیس ہوئی، اسی ادارہ عالم اسلام میں اجتماعی اجتہاد کے سلسلہ میں پہلا مبارک قدم ہے۔

اسی ادارے کی طرف سے مذکورہ بالا کافنس بلائی گئی تھی اور جامعہ الازھر کا یہ ادارہ اجتماعی اجتہاد کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ عملی اقدامات کرتا رہا، اور اس ندوۃ العلماء میں ملک کے ممتاز ترین علماء کا مشاورتی اجتماع ہوا، حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی کی صدارت میں یہ مجلس منعقد ہوئی، جس میں نئے حالات سے پیدا ہونے والے مسائل پر شرعی نقط

نظری کو قبولیت حاصل ہوئی، اور اسے عملی شکل دینے کے لیے مختلف اقدامات سامنے آئے۔

دور حاضر میں اجتماعی اجتہاد کی کوششیں

اس سلسلے میں سن ۱۹۷۱ء کافی اہمیت کا حامل ہے، اس سال عالم اسلام میں دو اہم کانفرنسیں منعقد ہوئیں، پہلی کافنس دمشق میں "اُسبوٰع الفقه الاسلامی" (فقہ اسلامی ہفتہ) کے عنوان سے منعقد ہوئی، جس میں عالم اسلام کے چوٹی کے علماء اور فقهاء نے فقہ اسلامی کے اہم موضوعات پر مقاٹلہ پڑھے، اور مناقشے ہوئے اس میں اجتماعی اجتہاد کا موضوع بھی بار بار زیر بحث آیا، اس کے فوائد، طریقہ کار وغیرہ پر گفتگو ہوئی، دوسری کافنس اسی سال جامعہ الازھر قاہرہ میں "موتمر مجتمع البحوث الاسلامیہ" کے نام سے منعقد ہوئی اور اس میں بہت بڑے پیمانے پر پوری دنیا سے خصوصاً عالم اسلام سے ممتاز علماء اور فقهاء کو جمع کیا گہا، اور فقہ اسلامی کے موضوع پر بڑے فکر انگیز مقالات پڑھے گئے، اور مناقشے ہوئے، فقہی مسائل پر اجتماعی غور و خوض کے لئے سن ۱۹۶۱ء میں جامعہ الازھر قاہرہ کے "مجتمع البحوث الاسلامیہ" کی تاسیس ہوئی، یہ ادارہ عالم اسلام میں اجتماعی اجتہاد کے سلسلہ میں پہلا مبارک قدم ہے۔

ای ادارے کی طرف سے مذکورہ بالا کافنس بلائی گئی تھی اور جامعہ الازھر کا یہ ادارہ اجتماعی اجتہاد کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ عملی اقدامات کرتا رہا، اور اس کے نتائج سامنے آتے رہے، اگرچہ بعد میں یہ ادارہ مختلف اسباب کی بنا پر زیادہ سرگرم عمل نہیں رہ سکا۔

عالم اسلام میں نئے مسائل پر اجتماعی غور و خوض اور اجتماعی اجتہاد کا جواہر بلند کیا گیا تھا، اس کی گونج

علامہ محمود جو پوری[ؒ]، ملا محب اللہ بہاری[ؒ]، مولانا عبدالعلیٰ بحرالعلوم[ؒ]، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب[ؒ]، حضرت شاہ رفیع الدین[ؒ]، حضرت شاہ عبدالعزیز[ؒ]، مولانا عبدالحکیم فرنگی محلی[ؒ]، اور مولانا محمد قاسم ناظری[ؒ] کے نام خاص طور پر لیے جاسکتے ہیں، عصر حاضر میں بھی مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا اشرف علی تھانوی[ؒ] اور مولانا ابوالحسن محمد مجاد بہاری[ؒ]، اور مولانا مناظر احسن گیلائی[ؒ]، جیسے فقیہ انس فیض عالم پیدا کیے، جو اس اہم کام کی تکمیل کے لیے نہایت موزوں تھے، پھر اس سب کے ماسوا ہندوستان نے دینی استقامت، فکری توازن اور سورخِ اعلم کا ایسا شہوت دیا کہ وہ دوسرے عرب اور اسلامی ممالک کے لئے ایک قابل تقلید مثال بن گیا، اور آج بھی عرب اور قدیم اسلامی ممالک کے اہل علم و اہل فکر ہندوستان کی طرف عظمت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور بہت سے مسائل میں اس سے دینی علمی رہنمائی کے طالب ہوتے ہیں، اس لئے کسی ایسے مسئلے میں جس میں غلط تجوید، مغربی افکار و قادر سے مرعوبیت، قانون سازی میں سطحیت و عجلت صاف جھلکتی ہو اور شرعی اصول اس کی تائید نہ کرتے ہوں، ہمارے لیے کسی بڑے سے بڑے مسلمان یا عرب ملک کا کوئی فعل یا قانون جنت نہیں بن سکتا، اگر سارا عالم اسلام کی غلط چیز پر اتفاق کر لے اور سارے مسلمان ممالک اور وہاں کے علماء کوئی غلط فیصلہ کریں یا اپنے حدود سے تجاوز کریں تو بھی ہم ہندوستانی مسلمان شریعت اسلامی کو اپنے سینے سے لگائے رکھنے اور خدا کے قانون کو آخری قانون سمجھتے رہنے کا فیصلہ کرچکے ہیں، اور اگر خدا غواستہ سارا عالم اسلام بھی دین و شریعت سے انحراف کرے تو بھی کسی چھوٹی سے چھوٹی اقلیت کے لئے بھی یہ انحراف جنت اور وجہ جواز نہیں ہوگا۔

دوسرے ہم پوری قوت کے ساتھ اس بات کو

وراشت ہے، ہم اس حقیقت کا بھی بر ملا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے لئے کوئی مسلم ملک قطعی وکی طور پر واجب الاتباع اور واجب التقلید نہیں اور نہ کسی ملک کے جدید رجحانات نے تو انہیں اور حکومتی فیصلے ہمارے اوپر جنت بن سکتے ہیں، ماسوا اس بات کے کہ کوئی شرعی اور فقہی دلیل نہیں۔

قانون اسلامی کے آخذ اور اس کی بنیادیں کتاب و سنت، اجماع و قیاس عالمگیر و داہی آخذ ہیں اور انہی کی روشنی میں ہر زمانے میں کام ہوا ہے، اور آئندہ کام ہوگا، اور ماسوا اس بات کے کہ ایک مسلمان پر کسی دوسرے مسلمان کا عمل یا رجحان جنت نہیں بن سکتا، جنت صرف اللہ کی کتاب، اس کے رسول کی سنت صحیحہ اور استنباط مسائل کے وہ آخذ اور سرچشے ہیں جن پر کسی ملک یا قوم کی اجازہ داری نہیں ہے، اور امام احمد بن حنبل[ؒ] کی زبان سے لکھا ہوا یہ فقرہ اب بھی فضا میں گونج رہا ہے اور قیمت تک گوچھار ہے گا کہ: ”انتونی بشئی من کتاب اللہ و سنت رسوله حتیٰ اقول به۔“

ماسوانے ان سب حقائق کے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خود ہندوستان اپنی ایک مستقل و منفرد علمی و دینی شخصیت رکھتا ہے، عالم اسلام کی دینی علمی تاریخ میں اس کا اپنا ایک مقام رہا ہے، جب سارے عالم اسلام پر فکری اصلاحات علمی اخحطاط کے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور کوئی ایسی شخصیت وہاں نہیں پیدا ہو رہی تھی جو متوسط علمی سطح سے بلند ہو، اور کوئی مجہد انہ فکر یا نئی علمی تحقیق پیش کر سکے تو ہندوستان نے ایسے بامال اور مجہد الفکر علماء و مصنفوں پر کئے جن کے علمی تقدیر اور مجہد انہ قابلیت کا سکھ عرب و عجم نے مان لیا، اور علمی و مدرسی حلقوں عرصہ تک ان کی کتابوں اور ان کے متون کی شروع سے گوختہ رہے۔

الفرقان، لکھنؤ)۔ ۲- مولانا جبیب الرحمن عظیم[ؒ] (معروف محدث)۔ ۳- مولانا سید ابو الحسن علی حسni ندوی[ؒ] (ناظم ندوۃ العلماء)۔ ۴- مولانا فخر احسان[ؒ] (استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند)۔ ۵- مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی[ؒ] (دارالمسنونین عظیم گڑھ)۔ ۶- مولانا سید منت اللہ رحمانی[ؒ] (خانقاہ رحمانی موغیر)۔ ۷- مولانا عمران خاں ندوی[ؒ] (تاج المساجد بھوپال)۔ ۸- مولانا ابواللیث ندوی[ؒ] (جماعت اسلامی ہند)۔ ۹- مولانا عبدالماجد دریابادی[ؒ] (مفسر قرآن و مدیر صدقہ جدید)۔ ۱۰- مولانا عتیق الرحمن سنبھلی[ؒ] (مدیر الفرقان لکھنؤ)۔ ۱۱- مولانا محمد تقی ایمی[ؒ] (دارالعلوم ندوۃ العلماء)۔ ۱۲- مولانا محمد اولیس غلامی ندوی[ؒ] (دارالعلوم ندوۃ العلماء)۔ ۱۳- مولانا سعید احمد اکبر آبادی[ؒ] (مدیر ماہنامہ برهان دہلی)۔ ۱۴- مولانا رضا انصاری[ؒ] (مفتق فرنگی محل) اس ابتدائی نشست میں مجلس تحقیقات شرعیہ کے ارکین کے نام بھی طے پائے، ارکین کی فہرست اٹھائیں ناموں پر مشتمل ہے یہ سارے حضرات ملک کے ممتاز ترین چوٹی کے اہل علم تھے، جن کا تعلق مختلف مکاتب فکر اور حلقوں سے تھا۔

مفکر اسلام علیہ الرحمہ کے مقالہ کے بعض اقتباسات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں باقی مجلس تحقیقات شرعیہ اور اس کے اولین صدر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی نشست میں پیش کردہ مقالہ کے بعض اہم اقتباسات پیش کر دیے جائیں، ان سے مجلس کے مقصد، طریقہ کار وغیرہ پر اچھی روشنی پڑتی ہے: ”اس علمی وسعت نظر اور وسعت قلب کے ساتھ جو ہمارا دینی فریضہ اور علماء سلف کی روایت

فقہ اکیڈمیوں کا قیام

عالم اسلام میں نئے فقہی مسائل پر غور و خوض اور فیصلے کے لیے جو اکیڈمیاں قائم ہوئیں وہ ۱۹۶۳ء سے بہت بعد میں قائم ہوئیں، اس طرح کی اکیڈمی رابطہ عالم اسلامی نے مکہ مکرمہ میں قائم کی، اس کی پہلی کانفرنس ۱۹۷۸ء میں ہوئی، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حنفی ندوی ابتداء ہی سے وفات تک کہہ فقہ اکیڈمی کے ممبر رہے، دوسری اکیڈمی مسلم ممالک کی تنظیم (OIC) نے قائم کی، اس کی پہلی کانفرنس ۱۹۸۷ء میں ہوئی، یہ دونوں اکیڈمیاں بین الاقوامی سطح پر اپنا کام انجام دیتی رہیں، مختلف ممالک کے ممتاز علماء، فقهاء اور ماہرین ان دونوں اکیڈمیوں کے تحت نئے پیش آمدہ، پیچیدہ مسائل پر غور و خوض کر کے ان کا شرعی حل تلاش کرتے ہیں، اور اب بھی ان کا سلسہ جاری ہے۔

مختلف ممالک میں

اجتماعی اجتہاد کے ادارے
الحمد للہ! ہندوستان میں مجلس تحقیقات شرعیہ کے بعد ۱۹۸۹ء میں حضرت مولانا قاضی مجاهد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک اور محنت سے اسلامک فقہ اکیڈمی اٹھیا قائم ہوئی، اور اس نے جدید مسائل کے حل میں بہت نمایاں کردار ادا کیا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تاحیات فقہ اکیڈمی کے سرپرست رہے، حضرت نے فقہ اکیڈمی اٹھیا کے متعدد سیمیناروں میں شرکت اور صدرارت فرمائی، ایک سیمینار میں اجتماعی اجتہاد کے موضوع پر مقالہ بھی پیش فرمایا، الحمد للہ! یہ اکیڈمی برابر سرگرم عمل ہے، اور ہمیں بے انتہا سرست ہے کہ مجلس تحقیقات شرعیہ کے اس سیمینار میں اسلامی فقہ اکیڈمی، اٹھیا کے موجودہ جزوں سے بھی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم جو آل اٹھیا مسلم پر مشتمل لا بورڈ کے بھی

۲- علامہ ابو زهرہ (مصر)

۳- شیخ محمد الغزالی (مصر)

۴- استاذ مصطفیٰ احمد زرقاء (شام)

۵- شیخ ابوالیسر عابدین (شام)

۶- استاذ مصطفیٰ السباعی (شام)

۷- شیخ عبدالفتاح ابو عودة (شام)

۸- شیخ حسن المشاط (کمہ)

۹- شیخ امین الکتبی (کمہ)

۱۰- شیخ عبد العزیز بن باز (جاز)

واقع یہ ہے کہ نئے پیش آمدہ مسائل پر اجتماعی

غور و خوض اور اجتماعی اجتہاد کے لیے اب تک ایک، ہی

کوشش وجود پذیر ہوئی تھی، جامعہ الازھر میں ۱۹۶۱ء

میں مجمع الجواث اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا تھا، اور اس

کی ایک کانفرنس بھی ہوئی تھی، جس سے عالم اسلام

میں نئے مسائل پر اجتماعی غور و خوض کی ضرورت کا

احساس بڑھا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی

ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس سے قبل متعدد بار عالم عرب کا

دورہ کرچکے تھے اور مصر و شام و ججاز کے علمی، تحقیقی

اداروں کو دیکھ کچکے تھے، اور وہاں کی بلند پایہ شخصیات

یعنی عالم عرب کے مفکرین، فقهاء و محدثین سے آپ

کی ملاقاتیں ہو چکی تھیں، ملک شام کی دو بلند پایہ

شخصیات ڈاکٹر محمد مصطفیٰ سباعی اور ڈاکٹر مصطفیٰ

احمزر رقاء کی تصنیفات سے خاص متاثر تھے، انہوں

نے اپنے خطبے میں اس بات کا ذکر بھی فرمایا کہ:

”مجھے اپنے فاضل دوست استاذ مصطفیٰ

الزرقاء کی اس رائے سے بالکل اتفاق ہے کہ اس

زمانہ میں انفرادی اجتہاد اور شخصی اظہار رائے

بہت خطرناک ہے، اور اس سے بڑے انتشار اور

نئے نئے فتنوں کا اندیشہ ہے، ان مسائل پر مستند

اور محتاط علماء کو اجتماعی طور پر غور کرنا چاہیے اور

اجتماعی طور پر اپنا فیصلہ دینا چاہیے۔“

بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ کام تنہا ماہرین

فن، اصحاب اخصاص اور ان علماء کرام کا ہے جو

ہر قسم کے دباؤ اور نفوذ سے آزاد ہیں اور ہر غلط

رجحان اور خام خیالی سے محفوظ ہیں، یہ کام خالص

علمی انداز پر آزادانہ فضائیں اور پورے اخلاص،

سبجدی و گہرائی، غور و فکر، مشورے و تعاون کے

ساتھ ہونا چاہتے ہیں، اور درحقیقت اس مجلس کا انعقاد

اسی راہ کا پہلا قدم ہے، خدا ہمیں توفیق دے کہ ہم

اپنی علمی و دینی ذمہ داریاں انجھے طریقے پر ادا

کریں، اور قبل اس کے کہ یہ کام غلط طریقے پر ہو

ہم صحیح طریقے پر انعام دینے کے توفیق پائیں۔

[مجلس تحقیقات شرعیہ کا علمی منجع ص ۱۹-۲۷]

عالم عرب سے رابطہ کی کوشش

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

رحمۃ اللہ علیہ نے کیم تبر ۱۹۶۳ء مجلس تحقیقات شرعیہ

کی تاسیسی میٹنگ میں جو خطبہ پیش فرمایا اس سے

مجلس کے تعلق سے ان کے عزم اور مقاصد پر روشنی

پڑتی ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد و منشایہ

تحاکہ نہ صرف بر صغیر ہندو پاک کی سطح پر نئے مسائل

کے بارے میں اجتماعی غور و خوض کا کام شروع کیا

جائے، بلکہ عالم عرب کے ممتاز ترین فقهاء اور

اصحاب افقاء سے بھی اس کام میں مددی جائے، اگر

ان کی باقاعدہ شرکت و شوارہ ہو تو کم از کم خط و کتابت

کے ذریعہ نئے مسائل کے بارے میں ان کی آراء

حاصل کی جائیں اور ان سے استفادہ کیا جائے۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کی کارروائی رجسٹر میں

پہلی نشست کی تفصیلات کے ذیل میں یہ ورن ہند

کے منتخب علماء کی جو نہرست درج ہے، ان میں عالم

عرب کے دس معروف علماء کے نام بھی شامل

ہے، جو درج ذیل ہیں:

۱- شیخ محمد حسین محمد خلوف (مصر)

کہ دوسرے علمی اور تحقیقی کاموں کے ساتھ فقہی مذاکروں کا سلسلہ از سر نوشروع کیا جائے، کیونکہ یہی مجلس تحقیقات شرعیہ کا اولین مقصد تھا۔

ابتدائی کام

مجلس تحقیقات شرعیہ سے مریبوط علماء نے انتماء مجلس کے آفس میں محفوظ قدیم ذخیروں کو تلاش کرنے کا لئے اور انھیں موضوعات کے اعتبار سے مرتب کرنے کی کوشش شروع کی، تاکہ مجلس کے قدیم علمی کام محفوظ ہو سکیں اور اشاعت کے لائق بن سکیں۔

الحمد للہ! مجلس کی الماریوں سے قدیم فقہی مذاکروں کے مقالات، مضامین، سوالات اور تحریریں بآمد کی گئیں، جو انتہائی خستہ اور بوسیدہ حالت میں تھیں، پہنچنے والے موضوعات جن پر اجتماعی غور و خوض ہو چکا تھا، یعنی انسورنس، رویت حلال، اور سرکاری قرضے ان موضوعات پر موصول ہونے والے مقالات، فتاویٰ، اور مختصر تحریریں ان کے سوالانے اور سوالاناموں کے ساتھ بھی گئی اہم معلومات سب چیزوں کو حفاظت سے مرتب اور محفوظ کیا گیا، اور مجلس تحقیقات شرعیہ کے کاموں میں معافون علماء پر ان مسودات کی ترتیب، تحقیق وغیرہ کا کام سپرد کیا گیا، چنانچہ ان حضرات نے بڑی عرق ریزی اور محنت سے ان موضوعات پر کام کر کے انھیں قابل اشاعت بنایا، کتابت و اشاعت کے مرحلوں سے گزر کر الحمد للہ یہ علمی ذخیرہ اہل علم کی خدمت میں گراں قدر علمی تخفے کے طور پر پیش کیے جانے کے لائق ہوا، انسورنس سے متعلق مجموعہ کی ترتیب و تحقیق کی خدمت مولانا مفتی مسعود حسن سنی ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء نے انجام دی ہے، رویت حلال کے موضوع پر موصول ہونے والے مقالات و فتاویٰ کی ترتیب و تحقیق کی ذمہ داری مولانا مفتی نصر اللہ ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء نے

موضوع پر غور و خوض اور فیصلہ ہوا۔

نئے مسائل پر اجتماعی غور و خوض کے لیے ۱۹۷۱ء میں مجلس کی پانچویں مشاورتی نشست ۱۹۷۱ء میں مولانا عبد اللہ الاسعدی شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ہندوستانہ بھی ہمارے درمیان موجود ہیں۔ اسی طرح ہندوستان کا مجلس ادارہ جو تحقیقی موضوعات پر مذاکرے کی مجلسیں منعقد کرتا ہے، ادارہ المباحث الفقہیہ جمیعت علماء ہند جس کا پہلا فقہی اجتماع فروری ۱۹۶۱ء میں ہوا، یہ ادارہ بھی الحمد للہ نئے مسائل کو حل کرنے میں سرگرم عمل ہے اور تقریباً ہر سال اس کے پروگرام ہوتے رہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ نئے مسائل کے ظہور کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ انھیں حل کرنے کے لیے بہت سے اداروں کی ضرورت ہے، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ ان اداروں میں باہمی ربط ہو اور ایک دوسرے سے باہمی تعاون اور استفادہ کے ساتھ اس کام کو جاری رکھا جائے۔

ہندوستان کے علاوہ یورپ میں یورپین افقاء کو نسل قائم ہے، جو نئے مسائل پر غور و خوض اور فیصلے کا کام کرتی ہے، سوڈان میں بھی ایک فقہ اکیڈمی موجود ہے، امریکہ میں بھی ایک فقہ اکیڈمی موجود ہے جو امریکہ اور کنادا میں پیدا ہونے والے مسائل پر اجتماعی غور و خوض کرتی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب اداروں کو مفید بنائے اور صحیح خلوط پر کام کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کے احیاء

موئیں ۲۰۱۹ء صفر ۱۴۴۱ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۲۰۱۹ء کو نظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد راجح حسni ندوی دامت برکاتہم نے مجلس تحقیقات شرعیہ کی نظامت کی ذمہ داری میرے سپرد فرمائی، حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ کی سال سے سخت تعلیل چل رہے تھے، اور ان کی معدودی آخری حد کو پہنچی ہوئی تھی، بالآخر ۱۷ اجنبوری ۲۰۲۰ء کو انہوں نے رحلت فرمائی، ۱۶ اکتوبر ۲۰۲۰ء کو مجلس کے معاونین متعین ہوئے، اس کے پہنچنے بعد مجلس کا نیا دفتر قائم ہو گیا، اس طرح ایک طویل و قائم کے بعد مجلس تحقیقات شرعیہ کا دفتر دوبارہ علمی و تحقیقی کاموں کے لیے کھل گیا۔

ناظم ندوۃ العلماء کی خواہش اور ہدایت تھی

جزل سیکریٹری ہیں، شرکت فرمار ہے ہیں، اسی طرح اسلامی فقہ اکیڈمی کے سیکریٹری برائے سیمنار حضرت مولانا عبد اللہ الاسعدی شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ہندوستانہ بھی ہمارے درمیان موجود ہیں۔

اسی طرح ہندوستان کا مجلس ادارہ جو تحقیقی موضوعات پر مذاکرے کی مجلسیں منعقد کرتا ہے، ادارہ المباحث الفقہیہ جمیعت علماء ہند جس کا پہلا فقہی اجتماع فروری ۱۹۶۱ء میں ہوا، یہ ادارہ بھی الحمد للہ نئے مسائل کو حل کرنے میں سرگرم عمل ہے اور تقریباً ہر سال اس کے پروگرام ہوتے رہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ نئے مسائل کے ظہور کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ انھیں حل کرنے کے لیے بہت سے اداروں کی ضرورت ہے، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ ان اداروں میں باہمی ربط ہو اور ایک دوسرے سے باہمی تعاون اور استفادہ کے ساتھ اس کام کو جاری رکھا جائے۔

ہندوستان کے علاوہ یورپ میں یورپین افقاء کو نسل قائم ہے، جو نئے مسائل پر غور و خوض اور فیصلے کا کام کرتی ہے، سوڈان میں بھی ایک فقہ اکیڈمی موجود ہے، امریکہ میں بھی ایک فقہ اکیڈمی موجود ہے جو امریکہ اور کنادا میں پیدا ہونے والے مسائل پر اجتماعی غور و خوض کرتی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب اداروں کو مفید بنائے اور صحیح خلوط پر کام کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کے اجلاس

مجلس تحقیقات شرعیہ اپنے قیام کے ابتدائی چند سال خاص طور پر متحکم رہی، خصوصاً حضرت مولانا محمد اسحاق سندھیوی کے دور نظمت میں، یہ ستمبر ۱۹۶۳ء میں مجلس کی تاسیس کے بعد سب سے پہلے انسورنس کے موضوع پر اجتماعی غور و خوض دوبارہ علمی و تحقیقی کاموں کے لیے کھل گیا۔

ہوا، ۱۹۶۵ء میں انسورنس کے موضوع پر فیصلہ ہوا، مئی ۱۹۶۷ء میں رویت حلال کے

اللہ علیہ کے نام سے موسم ہے، اس فقہی سیمینار کی افتتاحی نشست میں شرکت کر رہے ہیں، حضرت مولانا سید محمد راجح حنفی ندوی دامت برکاتہم جو ندوہ العلماء لکھنؤ کے ناظم ہونے کے ساتھ مجلس تحقیقات شرعیہ کے صدر عالی قدر بھی ہیں، ان کی صدارت میں فقہی سیمینار کی یہ افتتاحی نشست منعقد ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا دامت برکاتہم کی عمر وحشت میں برکت دے اور صحت وسلامتی کے ساتھ ان کا سایہ امت اسلامیہ پر دراز کرے۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کے ایک خادم ہونے کی حیثیت سے اس فقہی نما کرے کے انعقاد پر میں رب کریم کا بے پناہ شکرگزار ہوں کہ اس کی رحمتوں اور عنایتوں ہی سے اس بادقار فقہی سیمینار کا انعقاد ہو سکا، ان تمام علماء اور اصحاب افتاء کا ممنون ہوں، جنہوں نے علمی ریاضت اور عرق ریزی سے سوالات کے جوابات لکھے، اور ان تمام حضرات کا بھی قبول سے شکر یہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ملک کے طول و عرض سے اس فقہی سیمینار میں شرکت فرمائی ہے۔

☆☆☆☆☆

جن میں باہم تضاد اور اختلاف ہوتا تھا، اس لیے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کرونا کے موضوع پر جامع سوالنامہ مرتب کر کے اہل علم کی خدمت میں بھیجا جائے، اور ان کے جوابات اور تحریریں آنے کے بعد حالات مناسب ہونے کے بعد جماعتی غور و خوض کے لیے کرونا کے موضوع پر فقہی نما کرہ منعقد کیا جائے۔ ہمیں خوشی ہے کہ الحمد للہ جن حضرات علماء اور اصحاب افتاء کی خدمت میں کرونا کا سوالنامہ بھیجا گیا تھا ان کی ایک بڑی تعداد نے تحقیق و تفصیل کے ساتھ سوالات کے جوابات لکھے اور مجلس تحقیقات شرعیہ کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ کرونا میں کمی آنے کے باوجود ہمارے ملک کے سیاسی حالات ایسے رہے کہ کسی دینی موضوع پر کوئی بڑا اجتماع بلانا مشکل تھا، اس لیے اس فقہی نما کرے کی تاریخیں طے کرنے میں تاخیر ہو گئی، بالآخر ندوہ العلماء کے بزرگوں اور ذمہ داروں نے ۲۲-۲۳ نومبر ۲۰۲۲ء کی تاریخ طے فرمائی، اور آج ہم دارالعلوم ندوہ العلماء کے عظیم الشان ہال میں جو عظیم محدث حضرت مولانا حیدر حسن خاں ٹوکی رحمۃ

انجام دی اور سرکاری تقریب سے متعلق مقالات اور تحریریں کی ترتیب و تحقیق کا فریضہ مولانا رحمت اللہ ندوی استاذ دارالعلوم ندوہ العلماء نے ایک علمی کام یہ کیا ہے کہ سید الطائفہ حضرت علامہ سید سیمین ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مقالات اور تحریریں اور ان کی فقہی آراء کو بھی ایک مجموعہ کی شکل میں مرتب کر دیا ہے اور جہاں ضرورت محسوس کی ہے اس پر حواشی بھی لکھے ہیں، میں ان تمام حضرات کو ان کے علمی کاموں پر مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ علم و تحقیق کے میدان میں ان کا سفر بر جاری رہے، اور دوسرے علمی کام ان سے انجام پائیں۔

اپنے نئے دور میں مجلس تحقیقات شرعیہ ابھی سرگرم عمل ہوئی ہی تھی کہ کرونا وبا نے دنیا کو تہہ و بالا کر دیا، اور تمام سرگرمیاں ٹھپ ہو گئیں، پوری دنیا کے حالات ہی تبدیل ہو کر رہ گئے، پھر بھی مجلس تحقیقات شرعیہ ندوہ العلماء نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور مجلس کے ارکان و معاونین پچھنہ پچھ کام کرتے ہی رہے، ان کاموں کی ایک جملہ مجلس تحقیقات شرعیہ کی دو سالہ محضرا کردار گی روپرٹ میں آپ کے سامنے ان شاء اللہ آئے گی۔

سیمینار کے لیے موضوع کا انتخاب
رفاقے مجلس یہ مشورہ کرتے رہے کہ اجتماعی غور و خوض کے لیے کون سامنہ پورے کام کرنا چاہیے، بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ کرونا نے شرعی طور پر غور و خوض کے لیے جو مسائل کھڑے کیے ہیں، حالات کچھ بہتر ہوئے پرانے کے بارے میں علماء اور فقهاء کا غور و خوض کرنا اور ان کا شرعی حکم متعین کرنا بے حد ضروری ہے، اس زمانے میں علماء کا کوئی اجتماع ممکن نہیں تھا، اس لیے کرونا سے متعلق مسائل و سوالات کے بارے میں مختلف قسم کے فتاویٰ سو شیل میڈیا پر بکثرت آرہے تھے،

علمِ عربی کے قلب میں

مولانا سید محمد واحد رشید حنفی ندویؒ

ذرائع ابلاغ پر یہودی کنشروں اور غلبہ کے اثر سے انسانی و اخلاقی قدریں اور روایات یکسر بدال گئیں، ہر چیز کا پیمانہ بدال گیا، اعلیٰ انسانی قدریں، اخلاق اور خیر و خوبی کی صفات کو رذائل کا نام دیا گیا، اور رذائل، کینیہ خصلتوں اور بری عادات کو اعلیٰ انسانی قدروں کے نام سے پیش کیا جانے لگا، صھیوں ذرائع ابلاغ (صحافت، لٹرپچر، ریڈیو، ڈرامے، فلموں) نے دنیا کی نظرؤں میں یہودیوں کی خصوصیات بدلتے، ان کو مظلوم ثابت کرنے اور ان کی تمام قومی خصوصیات کو عربوں کے سرمنڈھنے میں زبردست رول ادا کیا، اس طرح یہود ذرائع ابلاغ کا سہارا لے کر امریکی و یورپی قوموں کی نظر میں اپنے کو مظلوم قوم بنانے میں کامیاب ہو گئے، اور یورپی قوموں کے ذہنوں اور دلوں میں یہ مخدادیا کہ یہود ان کے دوست ہیں، اور یہودیوں کی حفاظت و مددان کا دینی فریضہ ہے، الہایورپی طاقتلوں نے عالمِ عربی کے قلب میں یہودیوں کا وطن قائم کر دیا۔

☆☆☆

[ارشاد و تذکیر]

دوسرے کا بھی احترام ہو!

مولانا سراج الدین ندوی

مفہوم کو اختیار کرتا ہے اور نہ ہی اس کو قابل ملامت گردانیں جو "نص" میں اجتہاد کر کے اس کے اندر پوشیدہ مفہوم کو اخذ کرتا ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہیں کہ ہر کس وناکس شخص اجتہاد و تاویل کرنے لگے اور ظاہری مفہوم کے بجائے اپنی عقل نارسا کی بنیاد پر اس کے پوشیدہ معانی و مفہوم کی تو شیخ و تشریح کرنے لگے۔ خود دور نبوت میں وہی صحابہؓ اجتہاد کر سکتے تھے جو اجتہاد کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ اگر ان کے علاوہ کوئی اجتہاد کرتا تو آنحضرتوؐ اس پر نکیر فرماتے۔ حضرت جابرؓ یان کرتے ہیں:

"ایک مرتبہ ہم سفر پر نکلے ہمارے ایک رفق کے سر میں پتھر سے چوت آگئی۔ پھر اسے احتلام ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: "کیا میرے لیے تیم کی اجازت ہے؟" انہوں نے جواب دیا "چوں کہ آپ پانی کے استعمال پر قادر ہیں اس لیے رخصت کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔" چنانچہ اس نے غسل کیا اور تھوڑی دیر میں وہ مر گیا۔ واپسی پر جب ہم خدمت رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور آپؐ کو اس واقعہ کی اطلاع دی آگئی تو آپؐ نے فرمایا: "جن لوگوں نے اسے مارڈا اللہ ان سے نمٹے جب انہیں مسئلہ معلوم نہیں تھا تو انہوں نے معلوم کیوں نہیں کر لیا۔ اس کے لیے تیم کر لینا کافی تھا۔"

اس واقعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کافی علم نہ ہونے کی موجودگی میں نہ اجتہاد کرنا جائز ہے اور نہ فتویٰ دینا بلکہ ایسی صورت حال میں اہل علم کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں کہا گیا ہے: "فَأَسْتَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" (اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہل علم سے معلوم کر لیا کرو)۔ [انخل: ۳۳]

احادیث میں اس طرح کی بے شمار مثالیں ملتی

ہیں ہے۔ (جو تم لے رہے ہو) یہ بات نبی کریمؐ سے بیان کی گئی تو آپؐ نے ان میں سے کسی کو ملامت نہیں کی۔ [صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ] اس روایت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس روز نماز عصر کی ادائیگی کے سلسلہ میں صحابہ کرامؐ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض حدیث کے طاہری مفہوم کے پیش نظریہ کہہ رہے تھے کہ آنحضرتوؐ کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ نماز عصر نبی قریظہ ہی میں پہنچ کر ادا کی جائے۔ دوسرے صحابہؓ نے ظاہری مفہوم کے بجائے اس میں اجتہاد کیا اور وہ مفہوم اخذ کیا، جس کی ظاہری الفاظ میں گنجائش تھی۔ یعنی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا اصل مقصد عصر کے وقت تک نبی قریظہ میں پہنچنے کا تھا۔ اس لیے اگر راستہ میں نماز کی ادائیگی سے نبی قریظہ میں پہنچنے میں تاخیر نہیں ہوتی ہے تو اول وقت ہی راستہ میں نماز پڑھ لینے میں کوئی مضافات نہیں۔ چنانچہ نبی کریمؐ سے جب اس واقعہ کا تذکرہ کیا گیا تو آپؐ نے دنوں نقطہ ہائے نظر کو درست قرار دیا۔ اس واقعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نص کے ظاہری مفہوم پر بھی عمل کرنا جائز ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ "نص" سے ایسے مفہوم و معانی مستبط کیے جائیں جن کی "نص" کے الفاظ میں گنجائش ہو۔ آنحضرتوؐ نے دنوں نقطہ ہائے نظر کی تصویب فرمائی ہے۔ اس لیے علماء اور عوام دونوں کی ذمہ داری قرار پاتی ہے کہ وہ نہ اس شخص اور مکتبہ فکر کو مطعون کریں جو "نص" کے ظاہری میں نماز ادا کیے لیتے ہیں کیونکہ آنحضرتوؐ کی مراد

کی رائے کا کس طرح ادب و احترام کیا اور انہوں نے اختلاف رائے کو بھی بھی اپنی غرض یا مقاد کے لیے نہ استعمال کیا اور نہ سے جائز حدود سے آگے بڑھنے دیا۔ صحابہ کرام میں اگر بھی اختلاف رونما ہوتا تو وہ قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرتے اور جب قرآن و حدیث کا فیصلہ سامنے آ جاتا تو اس کو بلاچوں و چرا تعلیم کر لیتے۔ وہ قرآن و حدیث کے مفہوم کو بھیج تان کر اپنی رائے کے مطابق بنانے کی ذرا بھی کوشش نہ کرتے بلکہ اپنی رائے کو قرآن و حدیث کے مطابق بدل لیتے اور اگر قرآن و حدیث سے کوئی فیصلہ ہو پا تاب بھی اپنی رائے پر اصرار نہ کرتے بلکہ دوسرے کی رائے کو بھی وزن دیتے اور نہایت دیانت داری سے دونوں را یوں کا موازنہ کرتے۔ اگر دوسرے کی رائے درست معلوم ہوتی تو اپنی رائے کو ترک کر دیتے اور دوسرے کی رائے کو اختیار کرنے میں کسر شان محسوس نہ کرتے۔

☆☆☆☆☆

اختلاف رائے ایک فطری امر ہے اور اس سے کوئی بھی انسانی معاشرہ بچ نہیں سکتا۔ صحابہ کرام وہ عظیم ہستیاں ہیں، جن کی تربیت قرآن و حدیث کے سایہ میں ہوئی وہ صحابہ کرام کا گروہ وہ مقدس گروہ ہے جس سے زیادہ پاک بازار پر ہیز گار کوئی دوسرا گروہ اس زمین پر آج تک نہ وجود میں آیا اور نہ وجود میں آ سکے گا۔ مگر اختلاف رائے ان کے دور میں بھی ہوا مگر اس سے ان کی عظمت شان پر کوئی حرفا نہیں آتا بلکہ ان کی قدر و منزلت اور بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ ایک فطری امر (اختلاف رائے) کو وہ اس کے فطری حدود سے آگے نہیں بڑھنے دیتے اور اختلاف رائے کے سلسلہ میں ایسے طرز عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ پوری انسانیت دم بخود رہ جاتی ہے۔

حضور اکرم کی وفات کے بعد صحابہ کرام کے درمیان بہت سے اختلافات کا سراغ ملتا ہے۔ لیکن صحابہ کرام نے ان اختلافات کو کس خوبی کے ساتھ رفع کیا اگر وہ باقی بھی رہے تو انہوں نے فریق ثانی

ہیں کہ جب کبھی صحابہ کرام میں اختلاف رائے ہوا تو انہوں نے نبی کریم کی طرف مراجعت کر کے اپنے اختلاف کو ختم کر دیا انہوں نے کبھی اس کی نوبت نہ آنے دی کہ اختلاف رائے طول پکڑے اور وہ مخالفت و نزاع کا سبب بن جائے۔ خود رسول اکرم صحابہ کو اختلاف سے احتراز کی تاکید فرماتے رہتے ہے۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ملت کی بقاء کے لیے ضروری ہے کہ اختلاف سرنا اٹھانے پائے اور وہ کسی بھی شکل میں مخالفت تک نہ پہنچنے پائے۔

چنانچہ آپ نے واضح الفاظ میں ہدایت فرمائی:

لَا تَحْتِلْفُوْ قَتْحَلِيفَ قُلُوبُكُمْ

[بخاری] (تم آپس میں اختلاف پیدا نہ کرو، ورنہ تمہارے دلوں میں فرق پڑ جائے گا)۔

قرآن پاک بھی صحابہ کرام کی تربیت اسی انداز پر کر رہا تھا۔ جب کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی اختلاف نمودا نے لگتا تو قرآن ان کو متنبہ کرتا۔ اور اختلاف کو ابھرنے سے پہلے دبایا جاتا۔

خود صحابہ کرام بھی ”اختلاف“ کو موجب خیر نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے تھے: ”الخلاف شر“ اختلاف سرتاسر شر کا سبب ہے۔ ”چنانچہ صحابہ کرام کی کوشش ہوتی کہ کسی طرح آپس میں اختلاف پیدا نہ ہو سکے اسی وجہ سے وہ بہت زیادہ سوال کرنے اور موشک گافیاں کرنے سے پر ہیز کرتے۔ گفتگو کے وقت احتیاط بر تنتہ۔ مانی اشیاء کی ادائیگی کے لیے بہترین الفاظ کا انتخاب کرتے۔ جارحانہ کلمات سے حتی الامکان پر ہیز کرتے۔ دوسرے کی بات کو غور سے سنتے، اس کی بات کو وزن دیتے، اور اس کی رائے کا ادب و احترام نمودا رکھتے اور اگر کبھی ان تمام احتیاطوں اور کوشش کے باوجود اختلاف ہو جاتا تو جدال و مناظرہ کی نوبت نہ آنے دیتے اور رسول اللہ کی طرف مراجعت کر کے اپنے اختلاف کو رفع کر لیتے۔

حب رسول کا دعویٰ اور عمل

مولانا سید محمد حمزہ حنفی ندوی

ہم سب کو یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم اپنی پوری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں گزاریں گے، اور سرور کائنات کی ہر ہر سنت عمل کریں گے، پانی پیش گے تو اس طرح جیسے آپ پانی پیتے تھے، کھانا کھائیں گے تو اس طرح جیسے آپ کھانا کھاتے تھے، غرض کہ سونے جائے، چلنے پھرنے، دین کا کام کرنے، پڑوسیوں، رشتہداروں اور عام مسلمانوں کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے، جیسا آپ کرتے تھے، اسی طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور صدقات، انسانوں کے ساتھ ہمدردی، غمگساری، محتاجوں، تیکیوں اور بیواؤں کے ساتھ اسی طرح حسن سلوک کریں گے جیسا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا لحاظ، اس کا خوف، اس سے رحمت و مغفرت کی امید، اسی سے مدد مانگنا، اس کے ایک ایک حکم پر دل و جان سے عمل کرنا، اسی سے محبت کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا، بڑوں کی عزت اور خدمت کرنا، کمزوروں کی مدد کرنا، اپنی کمائی ان پر خرچ کرنا ہمارا شیوه ہونا چاہیے تبھی ہم محبت رسول اللہ کا دعویٰ کرنے میں سچے ہوں گے ورنہ زبان سے تو حب رسول کا دعویٰ اور عمل سے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت دور ہو جائیں گے۔

☆☆☆

تعالیٰ تعالیٰ اسلامی تہذیب کی شناخت

محمد عثمان خان ندوی (محرر فقر الرائد)

اور تفکر و تجسس کا مر ہوں منت ہے، آٹھویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف حصہ سے گیارہویں صدی کے ختم تک مسلمانوں کی سائنسک اور ترقیات کا عہد زریں شمار کیا جاتا ہے، جس میں پیش بہا قیمتی، جدید اور پرمغز اور بار آور بے شمار کتابیں لکھی گئیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ دور کی علمی ترقی بڑی حد تک مسلمانوں کی علمی کاؤشوں اور ان کی مسامی جمیلہ کی رہیں منت ہیں۔ مغربی دنیا جو آج اپنی تہذیب، تمدن، اپنا کچھ، اپنی ثقافت، اپنے علم و شعور، اور اپنے ہنر، نئی تحقیقات کے ذریعہ اونچ کمال تک ہو چکی ہے تو اگر گہرائی اور گیرائی سے اس پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ سب مذہب اسلام کی دین ہے۔

یہ بات بھی بڑی دلچسپ اور تعجب خیز ہے کہ یورپ والے قرون وسطیٰ کو عہد تاریک کہتے ہیں، دراصل وہ شرمندگی سے ایسا کہنے پر مجبور ہیں کیونکہ وہ خود انہیں میں رہے ہیں۔ ڈاکٹر غلام قادر لون نے اپنی کتاب قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے سائنسی کارنا میں میں لکھا ہے کہ: ”یورپ کے بعض متخصص فضلاء مسلمانوں کے کارنا میں کو نظر انداز کرنے کی برابر کوششیں کرتے رہے ہیں۔ یہ بھی ایک تلخ تحقیقت ہے کہ کوپنکس ہو یا کپرکلیو ہو یا ٹائیکوب ہے، سب نے مسلمانوں کے علمی انسافات اور ایجادات پر ہاتھ صاف کر کے انہیں اپنے نام سے مشہور کر دیا جو رات کا مال مسروقہ چھ کو سر عالم اپنا مال چلا چلا کر نیلام کر دیتا ہے۔“

علمی سرقہ کی ناپسندیدہ روایت دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلے میں یورپ میں زیادہ عام رہی ہے، مسلمانوں کی فلکیات بھی ان کی دست بردار محفوظ نہیں رہی، مغرب کے بڑے دولت اہل مشرق بالخصوص مسلمانوں کی سرپرستی

سکھائیں اور رہا ہو کر چلے جائیں، یہی ان کا زر فدیہ ہو گا۔ یہ تعلیم و تعلم کی طرف نبوی ترغیب کا ایک اچھوتا اور قابل ذکر واقعہ ہے۔ اگر دیکھا جائے تو تعلیم و تعلم سے متعلق ابتدائی دور کے علماء ایک متوازن زندگی گزارنے کے عادی تھے اگر ایک طرف وہ دینی امور کے ماہر تھے، تو دوسرا طرف وہ منطق، فلسفہ، اور ریاضی جیسے دنیاوی علوم پر بھی دسترس رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے نزد یک قرآن حکیم کی تعلیمات میں دین اور دنیا دنوں کے لیے رہنمایا میں موجود ہیں، البتہ لگ بھگ پار ہو یں صدی عیسوی میں مسلمانوں میں فکری، علمی رمحان میں زوال اس وقت شروع ہوا جب ہم نے دین و دنیا کی تعلیم کو الگ الگ سمجھ لیا، یہاں اس وقت سب سے روشن کردار امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے احیاء العلوم کے ذریعے ادا کیا، جب انہوں نے طب اور ریاضی جیسے علوم تک کوفرض کفایہ قرار دیا، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور کے بعض اہم فنون جیسے نشرتازی، (موجودہ سرجری) کا شت کاری (زراعت) پارچہ بافی (نیکستان) وغیرہ تک کوفرض کفایہ میں شمار کیا، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں گرچاں علوم و فنون کا تعلق براہ راست شریعت سے نہیں مگر ان سے بے انتہائی یا لا تعلق ہونا معاشرے میں خرابی اور انسان کی محتاجی کا باعث بن سکتا ہے۔

اگر کہا جائے تو پہنانہ ہو گا، قرون وسطیٰ کی علمی ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، تو آپ نے ایسے لوگوں کے لیے کہا وہ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا

لکھنؤ کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی، جن میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو محدث یا نجومی یا لغوی یا عروضی یا اصولی کے مہر لقب سے سرفراز نہ رہا ہو، امام بخاری اسی زمانے میں موجود تھے، ان کی کتاب جامع صحیح خود ان سے جن لوگوں نے پڑھی وہ تعداد میں نوے ہزار سے کم نہ تھے۔

اس سے قطعاً انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ قرون وسطی میں مسلمانوں نے دنیا کے مختلف زبانوں کا علمی سرمایہ اپنی زبان میں منتقل کرنے کا جو نمایاں کام انجام دیا اگر وہ اس میں ہاتھ نہ لگاتے تو یونان، ہصر، فارس، ہند وغیرہ کے تمام علمی ذخائر برپا ہو گئے ہوتے، اور آج کا انسان اس ترقی یافتہ اور سائنسیک دور میں بھی کم علمی کاشکار ہوتا، وہ اپنے عقائد میں اتنے پختہ تھے کہ دوسرا قوموں کے علوم و فنون اور ان کے مذاہب کے جگہ میں اترے، لیکن ان کے ایمان اور عقائد پر ذرا بھی اثر نہ ہوا، کیونکہ وہ قرآن کو ہی ذریعہ نجات سمجھ کر اسے مضبوطی سے تھامے رہے، اور قرآن نے بھی ان کو صحیح اور سیدھے راستے پر چلنے کیلئے روشنی ہی نہیں دکھائی بلکہ پوری طرح رہنمائی کی، چنانچہ امر و نبی کے ذریعہ فقہ کی طرف رہنمائی کی، اور اجتماعی امور کی رہنمائی کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کا سہارالیاء، اسی وجہ سے راویوں کو جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا اور رفتہ رفتہ "علم الحدیث" اور فن "اسماء الرجال" اور "علم الدرایہ" وجود میں آئے۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یونان اٹی و سسلی و اسکندریہ کا کوئی علمی سرمایہ ایسا باقی نہیں رہا جو ترجمہ کے ذریعے سے عربی زبان میں منتقل نہیں ہوا، خوش قسمتی سے مامون یا مامون کی رتبہ شناسی سے مامونی عہد کے مترجم زبان داں ہونے کے علاوہ حکیم اور مجتهد افغان بھی تھے، یعقوب کندی جو اس کے دربار کا

حسن کو جو اس کے خاص ندیم اور فنون حکمت کی ترقی و اشاعت میں اس سے بھی کچھ زیادہ سرگرم تھے، حکم دیا کہ دربار میں جو بیہت داں ماہرین فن ہیں، ان کو ساتھ لیں، اور کسی ہموار اور وسیع صحراء میں آلات رصدیہ اور اصول حساب فن کے استعمال سے کرہ زمین کی پیاس کریں، سنجارہ کا مسطح اور وسیع میدان اس تجربے کے لیے نہایت مناسب مقام ہے۔ ان لوگوں نے پہلے ایک جگہ ٹھہر کر آلات رصدیہ کے ذریعے سے قطب شمالی کا ارتفاع معلوم کیا، پھر وہاں ایک کھوٹی گاڑ دی، اور ایک لبی رسی اس میں باندھ کر ٹھیک شہاب کی سست چلے، رسی جہاں ختم ہو گئی، وہاں ایک دوسری کھوٹی گاڑ دی، اور اس میں ایک رسی باندھ کر پھر شہاب سست کو چلے اور ایک جگہ ٹھہر کر رصد سے دیکھا تو قطب شمالی کا ارتفاع ایک درجہ بڑھ گیا تھا، اب جس قدر مسافت طے ہوئی تھی اس کی مساحت ۲۶ میل اور دو ثانیت میل ٹھہری، اس سے نتیجہ کالا کہ آسمان کے ہر ایک درجہ کے مقابل زمین کی سطح

۲۶ میل اور دو ثانیت میل ہے، پھر اسی مقام سے ٹھیک جنوب کی طرف چلے اور اسی طرح رسیاں باندھتے گئے، یہاں قطب شمالی کا ارتفاع کیا ہے تو معلوم ہوا کہ ایک درجہ کم ہے، اب اس طرح حساب لگایا، کہ ایک درجہ کے مقابل زمین کی جو مسافت ٹھہری تھی، اس کو تین سو ساٹھ میں ضرب دیا کیونکہ آسمان کے درجے اسی قدر قرار دیے گئے ہیں، اس حساب سے محیط زمین ۲۲ ہزار میل ٹھہر لیا۔

[المامون، از علامہ شبلی نعمانی]
علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے لکھا ہے کہ: "اس زمانے کی وسعت تعلیم کا اس حکایت سے اندازہ ہوگا کہ جب علامہ نصر بن شمیل نے مامون کی قدر دانی کا شہرہ سن کر بصرہ سے خراسان جانے کا قصد کیا تو ان کی مشایعت کیلئے جو لوگ شہر سے

صدری میں رابرت گروٹسٹی ROBERT GROSSETESTE کچھ وقت کے لیے آکسفورڈ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے تھے، نے بطیموس نظام ہیئت کی تردید میں قلم اٹھایا مگر اپنی کتاب کے لیے سارا مادہ المطروجی کی تصنیف سے چالیا، جو بطیموس کی فلکیات کو رد کرنے میں پورے یورپ میں مشہور ہوئے تھے۔

غلیفہ منصور نے ابتداءً ملتفہ و حکمت کی کتابوں کے ترجمہ میں عملی قدم اٹھایا پھر اس کے جانشین مامون الرشید کے عہد میں یونانی علوم و فنون کی نشورو اشاعت میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔

عہد مامونی میں علم نجوم کی تدوین عمل میں آئی، مسلمان بطیموس اور دوسرے یونانی علماء سے فویقیت لے گئے اور ان کی اглаط کی تصحیح وغیرہ کی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

"مامون کے عہد میں جس قدر کتابیں ترجمہ ہوئیں اور ان پر جوش و حواشی لکھے گئے، ان کی فہرست کے لیے ایک مستقبل رسالہ درکار ہے۔ مامون جس قدر فلسفہ کے دلچسپ مسائل سے آگاہ ہوتا گیا، اس کے شوق تحقیق کو اور ترقی ہوتی گئی، اور زیادہ تر تحقیق و ترجمے بر مال ہوا۔ علم جبر و مقابله پر اسلام میں اول جو کتاب لکھی گئی وہ اسی عہد کے ایک مشہور عالم محمد ابن موی خوارزمی نے مامون کی فرمائش پر لکھی، یہ تصنیف آج بھی موجود ہے، اور اس قدر جامع و مرتب ہے کہ گوعلامے اسلام نے جبر و مقابله میں سیکڑوں نادر کتابیں لکھیں، لیکن اصل مسائل میں اس سے زیادہ ترقی نہ کر سکے، یونانی کتب حکمت میں اس نے پڑھا تھا کہ کہہ زمین کا دور ۲۲ ہزار میل ہے، مزید تحقیق کے لحاظ سے محمد احمد

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی جدید و دیدہ زیب مطبوعات

مطالعہ سیرت و تاریخ و تہذیب

از ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

صفحات: ۳۲۲--- قیمت: ۳۰۰ روپے

علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کے

تفسیری نکات

از مولانا محمد فرمان ندوی

جلد اول: صفحات: ۲۹۲ جلد دوم: صفحات: ۲۸۰

دونوں جلدوں کی کل قیمت: ۸۰۰ روپے

تینوں کتابیں ڈاک مصارف کے ساتھ صرف ۱۰۰۰ روپے میں

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

ٹیگور مارگ، ندوہ کیمپس، ندوہ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر 9889378176 موبائل نمبر 0522-2741539

ایمیل: info@airp.org.in

برداشتہ مترجم، مسلمانوں میں ارسٹو کا ہم پلہ تسلیم کیا گیا ہے، سلیمان بن حنان نے لکھا ہے کہ کندی کے سوا اور کوئی فلاسفہ کے لقب سے ممتاز نہیں ہوا، وہ طب، حساب، منطق، موسیقی، ہندسہ، طبائع، اعداد، نجوم کا بہت بڑا ماہر تھا۔

[المامون، ج ۱۶۹]

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان جب تک ایمان اور اپنے دین اسلام پر چنتگی کے ساتھ علم کے میدان میں فائز و ممتاز رہے دنیا کی قیادت و سیادت کرتے رہے، تابناک ماضی اور موجودہ حالات پر مولانا حافظ نے کیا خوب ترجیحی کی ہے:

کل کیا تھے آج کیا ہو گئے تم
ابھی جائے تھے ابھی سو گئے تم
ہماری تاریخ کیا ہے؟ علم و تحقیق اور سائنس
کے واحد علمبردار ہونے کے باوجود ہماری یہ
حالت کیوں ہو گئی ہے؟ علامہ اقبال نے
مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب کو بڑے
ہی اچھے انداز میں بیان کیا ہے:

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثیریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا
وہی قویں غالب و سر بلند رہتی ہیں جو علمی تحقیق
و تلاش اور جتوکے میدان میں آگے رہتی ہیں، اور ان
میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں، خود مسلمانوں کی
تاریخ روشن و تابناک رہی ہے، اس لیے کہ تعلیم و تعلم
کا عمل ہی اسلامی تہذیب و تمدن کی شاختہ اور اسکی
اصل روح و پیچان رہی ہے، کوئی بھی سماج تعلیم کے
بغیر ترقی نہیں کر سکتا، تو مون اور معاشرے کی ترقی کا
انحراف تعلیم پر ہی محصر ہے، تعلیم وہ زیور ہے جو انسان
کا کردار سنوارتی ہے، دنیا میں ہر چیز باشے سے کم
ہوتی ہے لیکن تعلیم میں ہمیشہ اضافہ ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

اسلام میں انسانی حقوق کا احترام

ڈاکٹر عبدالرحمٰن ندوی

اگر دشمن مسلمانوں کے بچوں اور مسلمان عورتوں کو قتل بھی کر دیں تو بھی مسلمان ان کے بچوں اور ان کی عورتوں پر توارث اٹھانے کے جائز نہیں۔ خصیر یہ کہ مسلم قوم ہی وہ پہلی قوم اور واحد قوم ہے جس نے دنیا کے رو برو، حقیقی معنوں میں بین الاقوامی جنگی قانون پیش کیا ہے۔

[نگارشات ڈاکٹر محمد حمید اللہ: ج ۲/ ص ۳۰۲-۳۰۳]

دین اسلام کو بدنام کرنے کی کوششیں زورو شور سے جاری ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا نظریہ ”تمدن کا گلکاراؤ“ میں بھی دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے۔ اسلام کے خلاف الزامات اور اتهامات کی کثرت کے باوجودہ، اس کے آفی پیغام کے ذریعے پورے عالم میں امن و سکون وسیع پیانا پر محسوں کیا جا رہا ہے۔

برطانیہ کی حالیہ مردم شماری روپورٹ کے مطابق وہاں مسلمان ۳۲۹ لاکھ ہیں جو آبادی کا ۶۲،۵ فیصد حصہ ہے۔ اس طرح برطانیہ میں اسلام سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب ہو گیا ہے۔

ہم اسلام کا حالیہ منظرا نامہ اور اس کی ارشائیزی برطانوی محقق Rose Kendric کے درج ذیل بیان سے بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں۔ وہ کہتی ہیں: ”اگلے بیس سالوں میں مذہب تبدیل کرنے والے برطانوی لوگوں کی تعداد ان مسلمان پر دیسیوں کے برابر ہو جائے گی یا بڑھ جائے گی جو یہاں مذہب اسلام لے کر آئے ہیں۔“ وہ مزید کہتی ہیں: ”اسلام اتنا ہی بڑا عالمی مذہب ہے جتنا رومان کی تھوک مذہب ہے۔“

”Islam Under اپنی کتاب“

سے بطور خفانت مسلمانوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور اسلام کے ابتدائی دور میں انہیں قتل کر دینے کے واقعات عام ہو گئے تھے۔ اُس زمانے میں بازنطینی سلاطین اور مسلمانوں کے مابین جو معاهدات طے ہو اکرتے تھے ان کی تتمیل و تکمیل کی ضمانت کے طور پر فریقین اپنے کچھ لوگوں کو ایک دوسرے کے حوالے کر دیا کرتے تھے اور معاهدات میں خصوصیت کے ساتھ یہ شرط شامل کی جاتی تھی کہ اگر بازنطینی سپرد کردہ مسلمانوں کو شہید کر دیں گے تو مسلمان بھی بطور انتقام بازنطینیوں کو ہلاک کر دینے کے مجاز ہوں گے۔ اس سلسلہ میں تاریخ اسلام کے دو واقعات پیش کر دینے کافی ہوں گے۔ ایک واقعہ امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں پیش آیا تھا، اور دوسرا غلیقہ منصور کے زمانے میں۔ اور ان دونوں واقعات کا خلاصہ یہ ہے کہ ”اگرچہ بازنطینی سلاطین نے معاهدہ کے خلاف فیصلہ صادر کیا اور یہ فیصلہ اس بناء پر کیا گیا کہ مسلمانوں کے قتل کے ذمہ دار وہ بازنطینی نہیں جو دارالخلافہ میں موجود ہیں، بلکہ اس فعل کی ذمہ داری بازنطینی سلاطین پر عائد ہوتی ہے۔ اور قرآن ان بے گناہ بازنطینیوں کو مستوجب سزا قرار نہیں دیتا۔ پھر شریعت اسلامی کی رو سے دوران جنگ میں عورتوں، بچوں اور ان لوگوں کا قتل منوع ہے جو مقابلہ پر نہیں آتے۔ حتیٰ کہ

دنیا کے مدیرین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ”اگر کسی قوم کی تہذیب اور شفاقت کا معیار معلوم کرنا ہو تو جنگ میں دشمن کے ساتھ اس قوم کے سپاہیوں کے طرز عمل کا مطالعہ کرنا چاہیے۔“ چنانچہ جب ہم اس کسوٹی پر اسلام اور اس کے تبعین کو گس کر دیکھتے ہیں، تو مسلمان سب سے متاز، بلند حوصلہ اور فیاض دکھائی دیتے ہیں۔ یوں تو آج مغرب اور مہذب دنیا میں بھی ایک باقاعدہ قانونِ جنگ موجود ہے لیکن یہ اس لیے تشنہ اور غیر منصفانہ ہے، کہ اس کا دائرة عمل صرف ”مہذب“ یعنی یورپین اقوام تک محدود ہے۔ جہاں تک غیر یورپین اور کمزور قوموں کے ساتھ رواداری اور نرمی برتنے کا تعلق ہے سو اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کے خلاف یہ کمزور قوموں پر انسانیت سوز مظالم کرنا لازمی سمجھتے ہیں۔

اس کے برعکس اسلام کے عقیدہ عدل و انصاف کی رو سے نہ تو کسی غیر ملکی کو دوسرے پر فویت دی جاسکتی ہے اور نہ اپنے فرائض کو ادا کرنے اور نہ کرنے والوں کے مابین کوئی فرق و امتیاز روا رکھا جاسکتا ہے۔ اور اگرچہ یہ امر تجرب خیز معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہی ہے اور یہ امر محض نظریہ ہی تک محدود نہیں بلکہ اس پر عمل بھی کیا جاتا رہا ہے۔ مثال کے طور پر ان لوگوں کے قتل کے معاملے کو لیجیے، جنہیں دشمن کی طرف

میں پانچ مرتبہ جسم ہوتی ہے، جب کاشتکار اور بادشاہ ایک ساتھ دوزانو ہوتے ہیں اور پکارتے ہیں: ”صرف اللہ ہی بڑا ہے۔ مجھے اسلام کے اس ناقابل تقسیم اتحاد نے بار بار حیران کیا ہے جو ایک انسان کو امتیازی طور پر بھائی بنا دیتی ہے۔ جب آپ کسی مصری، کسی الجیریا کے شخص، کسی ہندوستانی یا ترکی کے کسی شخص سے لندن میں ملتے ہیں، تو جو شے مناسبت رکھتی ہے وہ صرف یہ ہوتی ہے کہ مصر ایک کام در وطن ہے اور دوسرے کام در وطن ہندوستان ہے۔“ [ایضاً، ص ۱۶۹]

De Lacy O'Leary
فرماتے ہیں: ”تاریخ سے یہ بات بہر حال واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کو بہا لے جانے والی اور تکوar کی نوک پر مفتوح علاقے کے لوگوں پر اسلام کو زبردستی تھوپنے والی متعصب مسلمانوں کی روایت سراسر بے سرو پا افسانہ ہے جسے مؤرخین نے دھرا یا ہے۔“

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسلام کا اصل مقصد بلا امتیاز مذہب و ملک اور نگہ نسل کے بھلکتی انسانیت کو صراط مستقیم کی طرف لے جانا ہے اور انہیں برائیوں اور گندگیوں سے پاک کر کے بھلاکیوں اور خوبیوں سے آرائتے کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے ایک کشیر جہتی معاشرہ کی تکمیل کی جہاں ہر مذہب کے ماننے والے امن و سکون کے ساتھ رہتے تھے۔ یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ آپ کی حیات طیبہ میں متعدد جنگیں اور سرایا پیش آئے لیکن حیرت کی بات یہ

کر سکتا ہے اور دور جدید کے تکمیل مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ بنارہ شا کے الفاظ میں: ”اسلام ہی تہواہ مذہب ہے جو مجھے لگتا ہے کہ وجود کے تغیر پذیر مراحل کو اپنے اندر سمولینے کی اہلیت رکھتا ہے اور ہر دور کے لیے سازگار ہو سکتا ہے۔“

H.A.R. Gibb
R قطر از ہیں: ”اسلام نے انسانیت کی فلاح کا ایک اور کام کیا ہے۔ کسی دیگر معاشرے کا نوع انسانی کی اتنی مختلف اور کثیر برادریوں کا حیثیت، موقع اور جدوجہد کی برابری میں کامیابی کا ایسا ریکارڈ نہیں ہے۔ افریقہ، ہندوستان اور انڈونیشیا کی عظیم مسلم آبادیاں، اور شاید جاپان کی چھوٹی مسلم آبادی یہ سب دکھاتے ہیں کہ اسلام اب بھی واضح طور پر نسل اور روایت کے ناقابل مصالحت عناصر میں مفاہمت کرانے کی قوت رکھتا ہے۔ اگر کبھی مشرق و مغرب کے عظیم معاشرے کے حزب اختلاف میں باہم تعاون ہو، تو اسلام کی وساطت ایک ناگزیر شرط ہوگی۔“

سروجنی نایدو اظہار رائے کرتی ہیں: ”شور عدل اسلام کے حیرت انگیز نمونوں میں سے ایک ہے، کیونکہ جیسا کہ قرآن میں پڑھتی ہوں میں پاتی ہوں کہ زندگی کے وہ متحرک اصول، راہبانہ نہیں ہیں بلکہ روزانہ کی زندگی کے لیے عملی اخلاقیات ہیں جو پورے عالم کے لیے تو موزوں ہیں۔“

سروجنی نایدو مزید فرماتی ہیں: ”یہ وہ پہلا مذہب تھا جس نے جمہوریت کی اشاعت کی اور اس پر عمل کیا۔ کیونکہ مسجد میں جب مناروں سے اذان کی صدا بلند ہوتی ہے اور نمازی ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں، تو جمہوریت اسلام دن

Siege“ میں اکبرالیں احمد نے اس مذہب کے مستقبل کو لے کر کچھ بیش بہا بصیرت افروز پاتیں پیش کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ”اکیسویں صدی اسلامی صدی ہو گی۔“

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسلام صرف ایک مافق الفطرت مذہب نہیں ہے بلکہ یہ منطقی وحدانیت پیش کرتا ہے اور انسانیت کے تمام مسائل اور پریشانیوں کا یہ واحد علاج ہے۔ سب سے بڑھ کر اسلام ذات اور مسلک کے کسی امتیاز کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔ نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پر زور انداز میں مکہ کے اپنے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا تھا: ”کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ نہ کسی گورے شخص کو کسی کا لے شخص پر کوئی فویقت ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہوا اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔“

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسین ندویؒ نے بالکل درست فرمایا ہے: ”اسلام کا خواہ انفرادی یا اجتماعی انسانیت اور پندرہ راذات

سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ جب یہ جذبات خاندان یا جماعت کے خفر کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، جیسے مشرق یا مسلم ممالک میں، یا برطانوی شہنشاہیت اور امریکی سرمایہ داری یا روسی کیمیوزم جیسے مغربی دنیا، تو وہ ظاہری طور پر غیر اسلامی ہیں۔ یہ نظام اپنی قسمت کچھ وقت کے لئے تو چکا سکتے ہیں، لیکن آخر کار ان کو چلے جانا ہے۔

انسانی ضمیر کو لا محدود طور پر دھوکا نہیں دیا جا سکتا ہے۔ عالم کا مزارج بلا تفریق اسلام کے عدل اجتماعی سے مربوط ہے۔“

یہ بات بار بار کہی جا سکتی ہے کہ صرف اسلام ہی پورے عالم میں امن و آشتی کا ماحول پیدا

سید احمد شہید اکیڈمی کی جدید و دیدہ زیب مطبوعات

حق و باطل کی شکش - سورہ کہف کی روشنی میں

از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

سورہ کہف کی جامع تفسیر، قرآن سے شغف اور عربی زبان و ادب کے خاص ذوق کی غماز! الفاظ و معانی کی دل کش پیروایہ میں تشریح و تطیق، خواص و عوام و نوں کے لیے یکساں مفید!

صفحات: ۲۲۲ قیمت: ۲۰۰

ایشارہ کیا ہے؟

از: مولانا سید بلاں عبدالحکیم حسنی ندوی

حدیث کی شہرہ آفاق کتاب ”تہذیب الاخلاق“ کے ”باب الإیثار والمؤاساة“ کا درس! خود غرضی و مادیت کے دور میں ایثار و قربانی کا جذبہ بیدار کرنے کے لیے ایک موثر رسالہ! طلبہ و علماء اور عوام سب کے لیے ایک بہترین تھفہ!

صفحات: ۵۶ قیمت: ۲۰

حلال کمائی اور اس کے ذرائع

از: مفتی راشد حسین ندوی

موجودہ حالات کے تناظر میں حلال کمائی اور اس کے ذرائع پر سیر حاصل بحث! جدید مسائل پر فتحی بصیرت کے ساتھ معتدلانہ کلام اور شرعی نقطہ نظر کی وضاحت! طلبہ اور فتحی ذوق رکھنے والوں کے لیے ایک بہترین سوچات!

صفحات: ۱۵۲ قیمت: ۱۰۰

دابٹھ: سید احمد شہید اکیڈمی

دارعرفات، میدان پور، تکنیکی کلاں، رائے بریلی (موباں ۹۹۱۹۳۳۱۲۹۵)

نوٹ: یہ کتابیں لکھنؤ کے سبھی مکتبوں میں دستیاب ہیں۔

ہے کہ ان تمام معرکوں میں مقتولین کی تعداد ایک ہزار اٹھارہ تھی وہ بھی فریقین کی یعنی مسلمانوں اور کفار کی۔ اسلام پر الراہ لگانے والے اور اسلام کو دہشت گردی سے جوڑنے والے اگر صرف اسی تعداد پر غور کریں تو ان کے لیے اسلام کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ اب ذرا سوچیں ان قوموں کی تاریخ پر جو اپنے آپ کو مہذب گردانتے ہیں۔ یاد رکھیے وہ صرف اپنے لیے مہذب ہیں غیروں کے لیے نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام درحقیقت اسی بنیادی امتیاز کو مٹانے کے لیے آیا تھا۔ اسلام کے نزدیک پوری دنیا ایک کنبہ کے مانند ہے اور آج بھی اسلام اسی مشن پر قائم ہے۔ برطانیہ کی حالیہ مردم شماری رپورٹ اس کی واضح مثال ہے۔

اب ان اقوام کی تاریخ ملاحظہ کریں۔ صرف فرانسیسی انقلاب میں چھپیں لاکھ لوگ مارے گئے۔ روس میں اشتراکی انقلاب میں ایک کروڑ سے زائد لوگوں کی جانیں لگیں۔ پہلی عالمی جنگ میں تہتر لاکھ اڑتیسیں ہزار لوگ مارے گئے۔ اسی طرح دوسری عالمی جنگ میں ایک کروڑ چھہ لاکھ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور اس کی واضح مثال حالیہ روس اور یوکرین کی جنگ ہے۔

محضہ اسلام انسانی خون کے احترام کا اعلان یوں کرتا ہے: ”جس نے کسی انسان کو خون کے بد لے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا، اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی“۔ [۳۲:۵]



رسید کتب

تعارف و تبصرہ



محمد اصطفاء الحسن کا نذر حلوی ندوی

الثقافہ ہونے کا ایک بین ٹھوٹ ہے۔
”امیدوں کے چراغ“، ایک عجیب و غریب
تالیف ہے، جس کے مطالعہ سے دل باغ باغ،
دماغ معطر اور طبیعت مست و شادماں ہو جاتی
ہے۔ غالباً عنوان بھی اسی تاثرا و احساس کی کیفیت
کی ترجمانی کے لیے رکھا گیا ہے۔

”امیدوں کے چراغ“، قاری کو زمانی و مکانی
حدود و قیود سے آزاد کر کے اک ایسا رزمیہ وعظ و
تلقین سناتی ہے کہ جس کا سازرگوں میں جاگزین
مایوس و ناامیدی، سستی و کاہلی، اضلال و پمزدگی کو
ہٹا کر ان کی جگہ امیدوں کی ترنگ، کیف و نشاط کا
رنگ اور اولوا لعزی و اعلیٰ حوصلگی کا آہنگ بھرتا
چلا جاتا ہے۔ اس رزمیہ میں قاری کو ادب کی
غمگی، عقیدہ و بندگی کی چاشنی کے ساتھ کر کے ارضی
کے حقائق، محشر و عالم بروزخ کے کوائف، جنت کی
رعائیاں، دوزخ کی ہوش ربا نیاں، انسانی زندگی کی
عبرت ناکیاں، ابلیس کی ریشہ دوایاں، اور انیاء و
مرسلین اور سلف صالحین کی عطیری پر کہانیاں..... اور
نہ جانے کیا کیا کچھ اس میں ہے کہ قاری کو مد ہوش
کر دے، اور اس کے مطالعہ سے جب وہ فارغ ہو تو
اس کو محسوس ہو کہ اس نے نہ فتح افلک کے ساتھ
کائنات کی تاریخی سیر کر لی ہے۔

مولانا موصوف کا طرز نگارش بھی بڑا ابیلا
ہے، جس میں مزید زور پیدا کرنے کے لیے
شعری ذوق کا بھی خوب استعمال کیا ہے، اور اس
سے کتاب کی چاشنی میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔
بسمی، دہلی، لکھنؤ، سہارپور، دیوبند، بینگلور،
کلکتہ وغیرہ کے مختلف کتب فروشوں کے پاس
باقیت = ۲۵۰ روپیہ تباہ ہے۔

رابطہ کے لیے: ۹۸۵۷۱۳۸۵۷

☆☆☆☆☆

اور نفس مضطرب کو یک گونہ راحت و سکون پہنچاتی
ہے۔ یا ک ایسی کتاب ہے جس میں قلبی، ہنی اور
نفسیاتی بے اعتدالیوں کا دینی و شرعی اصولوں پر تشخص
و تجزیہ کر کے قرآن و سنت و اقوال امت کی روشنی میں
ان کے لیے اکسیر شفائی نئے تجویز کیے گئے ہیں۔

کتاب کی ورق گردانی سے مولانا موصوف کے
شعری مذاق کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے، انھوں نے
کثرت سے اشعار پیش کر کے بکھرے ہوئے مضامین
کو دریا بکوڑہ کرنے کی کوشش کی ہے، جب کہ آخر
کتاب میں ایک حصہ شاعری کے لیے مختص کیا ہے۔
امید ہے ملک کی دیگر زبانوں میں بھی اس کا
ترجمہ اس کی افادیت کو مزید عام کرے گا۔

رابطہ کے لیے: ۹۸۲۳۲۰۲۱۲۸

نام کتاب: امیدوں کے چراغ

تالیف: کبیر الدین فاران مظاہری
عنوان و غرض و غایت میں مولانا کبیر الدین
فاران مظاہری پابنی مدرسہ قادریہ مسروالاہا چل کی
یہ تالیف بھی مذکورہ بالا کتاب سے مختلف نہیں؛
لیکن مضامین و مشمولات میں کہیں مختلف۔

ایمانیات، عبادات، ادعیہ ما ثورہ، دعوت و
تبلیغ، سیرت انبیاء و صحابہ و صحابیات و اولیاء و
دانشواران، اصلاحیات و معاشریات و حقوق، اقوال
زرین و تاریخ کے حوالہ سے اک ایسی موسومہ نما
تالیف ہے جس کو بجا طور پر ”گنجینہ معلومات“ کا
خطاب دیا جاسکتا ہے۔ فاضل مصنف کی یہ تصنیف
ان کی علمی و ادبی قابلیت کے ساتھ ان کے وسیع

نام کتاب: راحت کے خزانے

تالیف: محمد ابراہیم بن محمد ادیا
افسوس کہ آج کا مسلمان، احوال و مصائب کا
درمانہ، مایوسی اور قحط کی طرف جا رہا ہے۔ عوام
کی بات چھوڑیے، خواص و بیظunoں باللہ
الطنونا، کی تصویر بے ہوئے ہیں۔ حالات ذاتی
بھی ہیں، سماجی، اقتصادی اور سیاسی بھی۔ اور سب
نے مل کر دماغ کی چولیں اور ایمان و عقیدہ کی
بنیادیں ہلا دی ہیں، جس کی وجہ سے دعوت و تذکیر
اور اصلاح و تبلیغ کا عمل بھی کافی متاثر ہے۔

اس غمین صورت حال سے نہیں کے لیے بعض
قلوب مطمئنہ، اپنے دل کا اطمینان، افراد امت
میں تقسیم کر کے ان کو صبر و استقامت کی ڈگر پر لانے
کے لیے کوشان ہیں۔ ایسے صاحب دل لوگوں میں
ایک نام مولانا محمد ابراہیم بن محمد ادیا صاحب (استاد
دارالعلوم حسینیہ مانگرول، گجرات) کا بھی ہے، جن
کی ایک خوبصورت تالیف بعنوان ”راحت“ کے
خزانے، کھلی لوگوں کے درد کا درماں، بیماروں کا
مداوا، پریشان حالوں کے لیے چین و سکون اور غم
کے ماروں کے لیے راحت جان بن کر قارئین کی
خدمت کے لیے گجرات میں جونا گڑھ اور احمد
آباد کے کتب خانوں پر دستیاب ہے۔

مولانا موصوف نے اسلاف کے سرمایہ سے
تسلی بخش استقدامہ کر کے یہ کتاب تالیف کی ہے،
جس کی خوبی ہے کہ آج کے فرد مسلم کے دل کی
دھڑکنوں کو مہیز کرتی ہے، ہنی خلجان کو دور کرتی ہے،

سوال و جواب



مفتی محمد ظفر عالم ندوی

جواب: جمال حلال ہو وہ وارثین کے درمیان تقسیم ہوگا اور جو حرام ہو وارثین ان کے لینے کا حقدار نہیں بلکہ اگر مال حرام کے مالک کا علم ہوتا اصل مالک کو لوٹانا ضروری ہے، اگر مالک کا علم نہ ہوتا ضرور تمندوں پر اس کا صدقہ کر دینا لازم ہے: ”وَهُوَ حرام مطلقاً علی الورثة سواء علموا أربابه أولاً فان علموا أربابه ردوه عليهم والاتصدقوا به“.

[الدر المختار مع رواجعه: ج ۹/ ص ۵۵۲]

سوال: ایک شخص نے اپنے خاص رشتہ دار کو پنا مکان زبانی و تحریری وصیت کر دی، اور حقوق ملکیت اپنے انتقال کے بعد لکھ دیا، اب وہ شخص اپنی زندگی ہی میں اس وصیت کو ختم کرنا چاہتا ہے تو کیا وصیت سے رجوع کا حق ہوگا؟

جواب: شرع اسلامی میں اس کی گنجائش ہے کہ اگر کوئی وصیت کرنے کے بعد وصیت سے رجوع کرے تو وصیت ختم ہو جائیگی: ”وله (الموصى) الرجوع عنها“.

[الدر المختار علی رواجعه: ج ۱۰/ ص ۳۵۰، کتاب الوصایا]

سوال: ایک شخص کے روپے بینک میں جمع تھے، اس نے یہ تحریر لکھ دی کہ میرے انتقال کے بعد یہ روپے میری بیوی کے ہوں گے، شخص مذکور کا انتقال ہو گیا ہے، ان کی ماں باحیات ہیں، کیا بینک میں جمع روپے میں مال حقدار ہو گی یا نہیں؟

جواب: اگر شخص مذکور نے روپے پانے نام بینک میں جمع کیے، اور بیوی کے حق میں یہ لکھ دیا ہے کہ یہ روپے بیوی کو بیس تری بیوی کی رقم نہیں ہوگی، بلکہ مال متروکہ میں شامل ہوگی اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں بیوی ایک چوتھائی اور مال ایک تہائی کی حقدار ہوگی۔

[فتاویٰ ہندیہ، کتاب الف راض: ج ۶/ ص ۳۳۹]

سوال: ایک مسلمان خاتون نے اپنا ناکاح گھر والوں کی مریضی کے خلاف ایک غیر مسلم سے ملت نہیں ہے)۔ [شریفیہ: ص ۱۳۱]

سوال: ایک شخص کا انتقال ہو گیا ہے، ان کے ورش میں دوٹ کے ہیں، مرحوم نے ایک زمین ترکہ میں چھوڑی ہے، وارثین میں ایک بھائی چاہتے ہیں کہ یہ زمین والد مرحوم کے نام مسجد میں دیدیں، کیا کوئی وارث جو گھر کا ذمہ دار ہو وہ زمین مسجد میں دے سکتا ہے؟

جواب: جو زمین مال متروکہ میں ہو اور وہ ورش

کے درمیان مشترک ہو تو تمام ورش کی اجازت کے بغیر کوئی وارث اسے مسجد میں نہیں دے سکتا: ”لَا يجوز لأحد أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بأمره“ (کوئی وارث دوسرا وارث کے حصہ میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا)۔

[فتاویٰ ہندیہ: ج ۲/ ص ۳۰۰]

سوال: ایک شخص کا انتقال ہو گیا ہے، ان کے وارثین موجود ہیں، کیا کوئی وارث دیگر ورش کی اجازت کے بغیر مرحوم کے مال متروکہ میں سے برائے ایصال ثواب فقراء پر خرچ کر سکتا ہے؟

جواب: اگر مال مشترک ہو، تقسیم شدہ نہ ہوتا تمام ورش کی اجازت کے بغیر تنہا کوئی وارث تصرف نہیں کر سکتا خواہ کا رخیر ہی کیوں نہ ہو۔

[حوالہ سابق]

سوال: اگر کوئی شخص مال حرام چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوا ہو کیا وارثین اس حرام مال کو مال متروکہ سمجھ کر آپس میں تقسیم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

NADWATUL-ULAMA

PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U.P. (INDIA)



ندوۃ العلما

پوسٹ بائس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یو پی (ہند)

بسم اللہ تعالیٰ

Date 25th Jan. 2023

تاریخ ۲۵ جنوری ۲۰۲۳ء

اپیل برل نے تعمیر اسٹاف کو اور ٹرس

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی و دینی خدمت میں معروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی و تعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ و کارکنان ندوۃ العلماء اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ و اسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطہ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کو اور ٹرس اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کا لوئی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، بگراب بھی اسٹاف کے لیے کو اور ٹرس کی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی، اس صورت حال کے پیش نظر پہلے ندوہ کیمپس سے متصل محلہ مکارم نگر میں اسٹاف کو اور ٹرس تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو الحمد للہ اہل خیر کے تعاون سے مکمل ہو گیا۔ اب کیمپس کے اندر رہی مزید کو اور ٹرس کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے پر شروع کرادی گئی ہے، زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہو گی، جس میں ۹ فلیٹی کو اور ٹرس ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ/- 1,15,00,000 (ایک کروڑ پندرہ لاکھ روپے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیز حضرات کے تعاون سے پورا ہو گا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہاں کام تکمیل کو پہنچ گا، و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔

(مولاناڈاکٹر) تقی الدین ندوی (ڈاکٹر) محمد اسلام صدیقی (مولانا) سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

معتمد عالم ندوۃ العلماء ناظر عالم ندوۃ العلماء

نونٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پتہ پر اسال کریں

NIZAMAT NADWATUL ULAMA

Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lucknow - 226007 (U.P.)

معطیات کرام! براہ کرم اپنے عطیات اسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91 - 8736833376

پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کارروائی میں سہولت ہو گی۔

فجز اکم اللہ خیرالجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

NADWATUL ULAMA

STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW
(IFSC CODE : SBIN0000125)

تعمیرات

A/c. No. 1086 3759 733

ONLINE DONATION LINK

<https://www.nadwa.in/donation/>

نونٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن ۸۰ اکم لیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت اکم لیکس سے مشتمل ہو گا